تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۲ صفحے کاغذ وکتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ محمد ایوب صاحب اعظمی ناظم مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد شاہی مئو ضلع اعظم گڈہ،

اولیاے کرام کے ملفوظات وسوانح مین ان کے بہت سے موثر اور سبق آموز اخلاقی و مذہبی واقعات، عارفانہ حقائق اور حکیمانہ ملفوظات ملتے ہین لیکن عموماً کشف وکرامات کے مقابلہ مین ان پر نظر نہیں جاتی، مولینا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے اس رسالہ مین حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظ فوائد الفواد اور اخبار الاخیار شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح سے بہت سے اکابر صوفیہ، علماء اور اہل اللہ کے اس قبیل کے واقعات و ملفوظات کو جمع کر دیا ہے، گو یہ رسالہ بہت مختصر ہے لیکن پڑھنے کے لائق ہے، اگر مولینا نے ذرا اور تفصیل سے کام لیا ہوتا، تو اس کا فائدہ اور زیادہ ہوجاتا۔

ارشادِ رسالت حصہ اول، از جناب ابوالفتح محمد رمضان صاحب تبسم قریشی تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۶ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۱۵ر، غیر مجلد ۱ر، پتہ اسلامی دارالاشاعت عقب اقبال گنج، گجرات پنجاب،

مؤلف نے اس رسالہ مین اسلام، ایمان، جہاد، ماں باپ سے حسنِ سلوک، رشتہ دارون اور یتیمون سے اچھے سلوک، خوش اخلاقی اور امداد باہمی کے متعلق احادیث نبوی کا منظوم ترجمہ کیا ہے، حدیثین سب صحاح کی ہین، منظوم ترجمہ مین الفاظ کی پابندی کے ساتھ ترجمہ بہت مشکل ہے، اس لئے حدیثون کا صرف مفہوم ونشا لے لیا گیا ہے، لیکن اس سہولت اور آزادی کے باوجود یہ نظمین بہت ناقص ہین، اور ادبی نقطۂ نظر سے مشکل سے ان پر شعر کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، زبان نہایت خراب بلکہ غلط ہے، شعری لطافت کا تو کہین نام نہین، اس منظوم ترجمے سے صاف وسلیس نثر کا ترجمہ بہتر ہوتا، تاہم اخلاقی سبق کی حیثیت سے بچون کے پڑھانے کیلئے یہ نظمین بُری نہین ہین،

"م"

جلد ۴۷ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۱ء عدد ۵

مضامین

شذرات

افسوس کہ ۵ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ کو ہماری جماعت کے ایک لائق فرد مولنا حاجی معین الدین صاحب ندوی صدر مدرس مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے تقریباً پچاس برس کی عمر مین وفات پائی، انھون نے اپنی پوری تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء مین حاصل کی اور سنہ ۱۹۱۲ء مین درجۂ تکمیل سے فراغت پائی، سنہ ۱۹۱۴ء کے آخر میں دار المصنفین کے قیام پر وہ دار المصنفین کے رفیق منتخب ہوے اور سلسلۂ سیر الصحابہ کی پہلی اور دوسری جلد خلفاے راشدین اور مہاجرین حصہ اول لکھی، ایک سال کے بعد یہان سے کتبخانۂ ندوہ کی ترتیب کے لئے لکھنؤ گئے اور اس کام سے ان کو ایسی دلچسپی ہوئی کہ بوہار امپیریل لائبریری کلکتہ مین ترتیبِ فہرست کے کام پر مقرر ہو گئے اور وہان سے اورینٹل لائبریری بانکی پور پٹنہ کی عربی کتابون کی ترتیبِ فہرست کے کام پر لگائے گئے، اور کئی جلدین بڑی قابلیت سے انگریزی مین مرتب کین اور گورنمنٹ کی طرف سے چھپین، اس جگہ کی تخفیف ہونے پر دائرۃ المعارف حیدرآباد مین قدیم ہندوستانی تاریخی مقامات کا ایک جغرافیہ عربی زبان مین ترتیب دیا جو دائرہ کی طرف سے چھپا ہے، یہان سے نکل کر وہ چند روز رامپور کی سرکاری لائبریری مین مقرر ہوئے اور آخر صوبہ بہار کی مشہور سرکاری عربی درسگاہ مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل مقرر ہوے، اور اسی خدمت پر وفات پائی،

وہ نہایت خاموش طبیعت، ملنسار، متواضع اور نیک دل تھے، وطن صوبہ بہار کے دو مشہور

گاؤن گیلانی اور استھاوان میں تھا، نوجوانی ہی مین جب وہ دار العلوم میں پڑھتے تھے، حج سے مشرف ہوے تھے، اسی لئے وہ ہماری جماعت میں حاجی صاحب کے نام سے ایسے مشہور و متعارف تھے کہ یہ ان کے اصلی نام کا جزء بن گیا تھا، انگریزی تعلیم صرف ندوہ مین چند ریڈرون تک پڑھی، مگر کام کرنے پر اپنی ذاتی محنت سے اتنی ترقی کی کہ انگریزی مین فہرست کی دو تین جلدیں ایسی لکھیں کہ اہلِ بصیرت نے بھی ان کی تعریف کی، اخیر زمانہ مین وہ کتبِ حدیث کا درس دیتے تھے، اور یہی ان کا آخری کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ فضل و کمال و اخلاق کو اپنی عطا و مغفرت سے سرفراز اور اس کی خدمتون کو قبول فرمائے،

نظامِ اسلامی کی ترتیب کا جو کام شروع ہوا تھا وہ اب تک مختلف مفکرین سے خاکہ بنوانے اور سوالات مرتب کرانے کی منزل تک پہنچا ہے، اس سلسلہ میں جناب مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور مولنا ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنے اپنے خیالات لکھ کر بھیجے ہین جنکی روشنی مین آیندہ کام کا نقشہ تیار ہوگا، یہ ایک اہم تعمیری نظام ہوگا جو کسی شخصی خیال کے بجائے ایک پوری مجلسِ مفکرین اسلام کی طرف سے پیش ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ،

مدیر نگار (دیا وش بخیر) نے اپنے پچھلے جاہلانہ اجتہادات پر پردہ ڈالنے کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ دوسرے غیر معروف لوگوں سے (کہ خود اس میں تو اتنی قابلیت بھی شاید نہیں کہ صحیح و غلط مین تمیز کر سکے) ہماری کتابون پر اعتراضات لکھوا کر ان کی تشہیر کرتا ہے، اور اس طرح اپنی اس مفروضہ نیکنامی کو جو علمی دنیا میں (؟) اسکو حاصل ہے قائم رکھنے کے لئے آخری جدوجہد میں مصروف ہے، ہم کو اپنی غلطیوں کے ماننے میں اگر وہ صحیح ہیں تو کوئی پس و پیش نہیں، بلکہ ہم الٹے اس کے ممنون ہوں گے، لیکن اس حیلہ سے مدیر مذکور کا دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ ہم اسکے ہفوات کا جواب صرف شخصی اختلاف کی بنا پر لکھتے ہیں مضحکہ انگیز

طریق استدلال ہی، کہ بہر حال غلطی غلطی ہے، اور سرقہ سرقہ ہے،

ہم نے اس کے جاہلانہ ہفوات کی تردید میں اہل حق کے جن مضامین کی ترتیب کا خیال ظاہر کیا تھا اس کو بحمد اللہ امرتسر کے رسالہ البیان نے انجام دے دیا، معاصر موصوف نے تمام جوابات کو اپنے ایک خاص نمبر مین جمع کر کے مدیر نگارِ دلفگار کی خدمت مین نذر پیش کیا ہے، اس مجموعہ مین مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا منظور نعمانی اڈیٹر الفرقان، پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی ایم اے، مولوی محمد اویس نگرامی ندوی رفیق دار المصنفین، پرنسپل ڈاکٹر تاثیر ایم اے، ڈپٹی سید مقبول احمد صاحب بی اے، جناب عرشی صاحب اور جناب محمد اقبال سلمانی صاحب مدیرانِ البیان وغیرہ کے مضامین جمع ہین، ناموں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک مشترک مقصد کی حمایت میں تمام مختلف الخیال مسلمان بحمد اللہ متحد ہین، یہان تک کہ وہ بھی جو کبھی نگار کے مضمون نگار تھے، سلمانی صاحب کا اول اور آخر مضمون خود مدیر نگار کے پڑھنے کے قابل ہے،

شخص مذکور کا فریب علم تو پوری طرح آشکارا ہو چکا، اب اس کی ادبی حیثیت کا فریب بھی عنقریب کھل جائے گا، اس کی سب سے مایۂ ناز ادبی تصنیف شہاب کی سرگذشت ہے، جس کی نسبت بانگ دہل آج یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ مشہور انگریز افسانہ نویس آسکر وائلڈ کی کتاب "ڈورین گرے کی تصویر زندگی" (A PICTURE OF DORIAN GREY) کا سرقہ ہے، بلکہ کہین کہین "نقرئی آواز" وغیرہ اس کا لفظی اور بے معنی ترجمہ ہے! اس اظہار جرم کے بعد مدیر نگار کے نزدیک سب سے بڑے ندوی (مدیر معارف) کی "اخلاقی پستی" اب کتنی اور زیادہ پست نظر آنے لگے گی!!

مقالات

تدوینِ حدیث

از

جناب مولنا مناظر احسن گیلانی استاد دینیات جامعہ عثمانیہ

(۲)

۶- اسی کے ساتھ ہمین یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ صحابہ کو سناتے تھے یا کر کے دکھاتے تھے، اس کے متعلق صرف یہ حکم دے کر کہ تم بھی اس کو یاد رکھنا یا کرنا محض اتنی کفایت نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس کی باضابطہ نگرانی فرماتے تھے، کہ اس حکم کی کس حد تک تعمیل کیجاتی ہے، مہماتِ شریعت اور اساسی امور کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کا کیا حال تھا، اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک معمولی بات یعنی ایک صحابی کو یہ بتاتے ہوئے کہ جب سونے لگو، تو یہ دعا پڑھکر سویا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتانے کے بعد فرمایا کہ اچھا مین نے کیا کہا؟ اسے دہراؤ، صحابی نے آخری فقرہ آمنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت میں نبیک کے لفظ کو رسولک کے لفظ سے بدل دیا جو تقریباً ہم معنی الفاظ ہین یعنی بجائے نبی کے "رسول" کا لفظ استعمال کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ایمان لایا مین اس کتاب پر جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جسے تو نے بھیجا،

نے اپنی زبانِ مبارک سے چونکہ بئیسک کا لفظ ادا فرمایا تھا، حکم ہوا کہ مین نے یہ نہین کہا، دہی کھو جو
مین نے بتایا، ظاہر ہے کہ قانونی طور پر سونے کی دعا کی حیثیت ان شرعی حقائق کی نہیں ہے جنھین
فرض وواجب کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن باوجود اس کے ایک ایک لفظ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ایسی سخت نگرانی تھی، بخاری مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کے متعلق یہ روایت
بیان کیجاتی ہے کہ انّہٗ کان اذا تکلم بکلمۃٍ اعادھا ثلثاً،[۱] غالباً اس میں بھی زیادہ تر دخل اسی
مقصد کو تھا، فعل کے متعلق مشہور حدیث ہے، کہ ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ و
سلم کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے، حالانکہ نماز کے تمام ارکان یعنی قیام رکوع وسجود مین
کوئی کمی نہین ہوئی تھی، صرف ذرا عجلت اور جلد بازی سے کام لے رہے تھے، نماز سے جب
وہ فارغ ہوئے تو وہ یہ سُن رہے تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صَلِّ فانّکَ لم تُصَلِّ (پھر نماز
پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی) ارشاد فرما رہے ہین، انھون نے پھر نماز دہرائی، لیکن اب بھی اس
مین وہ وقار اور طمانیت نہین پیدا ہوئی تھی، جس سے صَلّوا کما رأیتمونی اُصَلّی (ٹھیک اسی
طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) کے حکم کی تعمیل ہوتی، الغرض تیسرے
بار سمجھانے کے بعد انھون نے اپنی نماز جیسی کہ چاہیے ادا کی، نماز مین سکینت واطمینان کی
حیثیت اکثر فقہائے امصار کے نزدیک فرض وواجب کی نہیں ہے، لیکن جن لوگون کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی، اس کے ہر پہلو ظاہر وباطن اندر اور باہر کا مورخ بنانا چاہتے
تھے، ان پر آپ ان معاملات کے متعلق بھی پوری نگرانی رکھتے تھے، کیا دنیا مین کوئی ایسی تاریخ
بھی موجود ہے، جس نے اپنے مورخین کی، اور راویون کے بیان وادا کی خود نگرانی کی ہو اور
ایسی سخت کڑی نگرانی، !

---

[۱] جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کرتے، تو اوس کو تین دفعہ دہراتے، ۱۲،

تدوینِ حدیث کے سلسلہ مین جن امور کی تعبیر مین نے غیر معمولی خاص قدرتی عوامل سے کی
ہے، اور عام تاریخی سرمایہ سے تاریخ کے اس حصہ کے متعلق جن بنیادون پر مین امتیاز کا مدعی
ہون، اسکے ٹھوس اور خصوصی اسباب تو یہ تھے،

لیکن خصوصیتون کا یہ قصہ ان ہی پر ختم نہین ہو جاتا، جن بزرگون کے ہاتھون علم کے اس
حیرت انگیز ایوان کی تعمیر ہوئی، ابھی ان کی اور بھی چند باتین قابل لحاظ ہین، میرا مقصد یہ ہے کہ
ان تمام ذمہ داریون کے ساتھ جن کا ذکر آپ سُن چکے، قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیغمبرانہ دعوت جو شاعرانہ زبان مین نہیں، بلکہ فی الحقیقت مولینا حالی مرحوم کی اس بلیغ
تعبیر کی صحیح تصویر تھی،

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی ... عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی
اک آواز مین سوتی بستی جگادی ... نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی

اس نے صحابۂ کرام کی ذہنی قوتون اور عملی توانائیون مین نئی زندگی کی روح بھر کر ان مین
ایسی ہل چل پیدا کردی تھی، کہ بقول گاڈفری ہگنس عیسائی اس کو یاد رکھین تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیرون مین پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیرون
مین تلاش کرنا بے سود ہے"۔

اور مین تو کہتا ہون کہ عیسائی ہی نہین بلکہ دنیا کو چاہیے کہ یہ یاد رکھے کہ اس نشہ کی نظیر نہ
اس کے پہلے دیکھی گئی، اور نہ اس کے بعد دیکھی جا سکتی ہے، عروہ بن مسعود ثقفی نے جو اس وقت
تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کو صحابۂ کرام کے اس نشہ کی خبر کتنے
صحیح الفاظ مین دی تھی،

ای قوم واللہ لقد وفدت ... لوگو! خدا کی قسم مجھے بادشاہون کے دربا

على الملوك ووفدت على قيصر وكسرى والنجاشي والله ان رأيت ملكا قط يعظمه اصحابه ما يعظم اصحاب محمد محمدا والله ان تنخم نخامة الا وقعت في كف رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده واذا امرهم ابتدروا امره واذا توضأ كادوا يقتتلون على وضوءه واذا تكلم خفضوا اصواتهم عنده وما يحدون اليه النظر تعظيما له،

(بخاری)

مین بھی باریابی کا موقع ملا ہے، قیصر (روم) کسری (ایران) نجاشی (ابی سینیا) کے سامنے حاضر ہوا ہون قسم خدا کی مین نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی لوگ اتنی عظمت کرتے ہون جتنی عظمت محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی کرتے ہین، قسم خدا کی جب وہ بلغم تھوکتے ہین تو نہیں گرتا ہے وہ لیکن ان کے ساتھیون مین سے کسی آدمی کے ہاتھ مین، پھر وہ اپنے چہرہ اور اپنے بدن پر اسے مل لیتا ہے (محمدؐ) جب کسی بات کا انھیں حکم دیتے ہین، اس کی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہین، جب محمدؐ وضو کرتے ہین، تو اس وقت ان کے وضو کے پانی پر آپس مین الجھ پڑتے ہین، جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہین، تو ان کی آوازین پست ہو جاتی ہین، محمدؐ کو نگاہ بھر کر ان کی عظمت کی وجہ سے نہین دیکھتے

یہ دوست کی نہین، بلکہ ایک دانا دشمن کی شہادت ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس جماعت کے نشہ کا یہ حال ہو، جو احکام و اوامر تو بڑی چیزین ہین، تھوک اور وضو کے غسالہ

یک کو اپنے اندر پیوست کرتے تھے، اور ایک دوسرے پر سبقت کرنے مین گویا باہم الجھ پڑتے تھے، ایک ایک موے مبارک کے متعلق یہ حال تھا کہ بخاری مین ہے کہ حضرت عبیدہ تابعی جنھین حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موے مبارک ہاتھ آگیا تھا، فرماتے،

لان تكون عندي شعرة منها احب الي من الدنيا وما فيها،

میرے پاس کسی بال کا ہونا، اس سے زیادہ محبوب ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا مین ہے، وہ سب کچھ میرے یہان ہو۔

جن لوگون کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ اس قسم کا ہو، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "زندگی" جس کے خدا کی طرف سے بھی وہ محافظ اور مبلغ قرار دئے گئے تھے، سوچنا چاہئے، کہ انھی لوگون نے اس "زندگی" کی نگہداشت مین کس اہتمام کس انہماک اور توجہ سے کام لیا ہوگا، ایک ایک موے مبارک بھی جن کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھا، انھی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی غور کرنا چاہئے کہ کیا قیمت تھی، اب ایک طرف حضرات صحابہ کرام کے ان جذباتی طوفانون کو اپنے سامنے رکھئے، اور اسی کے ساتھ اس پر بھی غور کیجئے کہ جس عہد میں اس "تاریخ" کی حفاظت و اشاعت کی ذمہ داری قدرت کی جانب سے انھین سپرد ہوئی تھی، اس زمانہ مین ان کے پاس کسی قسم کا کوئی دماغی مشغلہ قرآن مجید کے سوا موجود نہ تھا، عرب جاہلیت کی تاریخ ہم سب کے سامنے ہے کون نہیں جانتا کہ اس حیرت انگیز مدہش اچانک دماغی بیداری کے زمانہ سے پہلے وہ اور ان کا ملک تقریباً ان عام علمی اور ذہنی مشغلون سے مفلس تھا جن کا چرچا عموماً حضارت وتمدن کے ساتھ وابستہ ہے، اگرچہ مین اس کا تو قائل نہین جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے

کہ عرب کے ایام جاہلیت کا یہ مطلب ہو کہ ان کی حالت ہندوستانی بھیلوں اور گونڈوں کی تھی، نہ صرف قریش بلکہ اور بھی دوسرے قبائل کے صحیح حالات سے جو واقف ہیں، وہ ایک سکنڈ کیلئے یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے، بلکہ جیسا کہ عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیل آئے گی، کہ "جاہلیت" کا یہ ترجمہ کہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، عربی زبان اور قرآن مجید جس میں یہ لفظ غالبًا پہلی دفعہ استعمال ہوا، اس کے عام محاوروں کے خلاف ہے، عربوں کی جہالت کا جو یہ مطلب سمجھا ہو، وہ دراصل واقعات سے جاہل ہے، بلکہ واقعہ یہ ہو کہ لکھنے پڑھنے کے سلسلہ میں عرب کا بھی اس زمانہ میں تقریبًا وہی حال تھا، جو عمومًا اس زمانہ میں اگر کامل متمدن ممالک نہیں، تو نیم متمدن ممالک کا تھا، یعنی جس طرح قدیم زمانہ میں تقریبًا ہر ملک اور قوم میں لکھنے پڑھنے والوں کا ایک خاص پیشہ ور طبقہ ہوتا تھا، اور عام پبلک کو اس سے چنداں تعلق نہیں تھا، نہ اس کی اتنی اہمیت تھی، کسی ملک میں پادریوں کسی میں موبدوں، کسی میں برہمنوں، الغرض اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ یہ کام مخصوص تھا، اگر بالکلیہ نہیں تو قریب قریب عرب کا بھی یہی حال تھا، آئندہ یہ بتایا جائے گا، کہ عرب میں بھی ایک خاصی تعداد خواندوں اور نویسندوں کی تھی، نہ صرف مرد، بلکہ ایام جاہلیت میں بھی بعض لکھی پڑھی عورتیں پائی جاتی تھیں، شرفا ہی نہیں بلکہ غلاموں میں بھی ایسے افراد موجود تھے، میں اپنے اس دعوی کی تھوڑی بہت تفصیل آگے بھی کروں گا، لیکن باایں ہمہ اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے، کہ معمولی نوشت وخواند جو چند گنے چنے لوگوں تک محدود تھی، اس سے آگے عربوں کی ذہنی اور دماغی قوتوں کے لئے اس زمانہ میں کوئی خاص اہم خوراک موجود نہ تھی، اور تھوڑی بہت اگر کچھ تھی بھی، تو وہ بہت ادنی درجہ کی تھی، ان کا سب سے بڑا دماغی مشغلہ شعر و شاعری کا تھا، یا باہم ایک دوسرے پر تفاخر کے لئے یا توہین کیلئے وہ انساب کے علم سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، اور بھی ابتدائی نوعیت کی کچھ فنی چیزیں معدودے چند

افراد کے پاس تھیں، لیکن اسلام نے شریفانہ کردار کا جو معیار مقرر کیا تھا، اس میں گانے بجانے رقص و سرود سے نوشی مفاخرت یا مشاجرت وغیرہ کی کوئی گنجایش نہیں رکھی تھی، ان کی خمری دفری فحش ومبالغہ والی شاعری کی بھی اس نے کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی، ایک طرف عربوں کی ذہنی اور علمی بھوک کی وہ شدت، اور دوسرے طرف یونہی ان کے ملک کا دماغی مشغولوں سے خالی ہونا چند بچی کھچی ادنی درجہ کی کچھ غذائیں ان کے پاس جو موجود تھیں، ان کا بھی ان کے سامنے سے ہٹ جانا، اور سب کو ہٹا کر اس شدید دماغی تشنگی کے وقت میں ان کے سامنے صرف قرآن اور مبلغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا علم اور فن کے رنگ میں پیش ہونا اسی کی کمی بیشی پر سوسائٹی میں افراد کے مدارج کا قدرۃً مقرر ہو جانا، غور کرنے کی بات ہے، کہ ایسے ماحول میں ہر چیز سے ٹوٹ کر ہمہ تن ان ہی دو چیزوں میں اگر وہ ڈوب گئے تھے، تو آپ ہی اندازہ کیجئے کہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا، ایسی حالت میں یقینًا یہی ہو سکتا تھا اور یہی ہو کر رہا، بلکہ اسی کے ساتھ ہم جب اس واقعہ کو بھی ملا لیتے ہیں، کہ فاقہ کش غریب اور مفلس عرب جو اپنے ملک کے خاص حالات کے لحاظ سے ایام جاہلیت میں معاشی حیثیت سے انتہائی سخت کوشیوں کا شکار بنا ہوا تھا، تعیش ورفاہیت کی زندگی کا تو کیا ذکر ہے، ضروری معاشی رسد کی تکمیل میں بھی ان کو آسمان و زمین کے قلابے ملانے پڑتے تھے، ساری عمر عرب کے چٹیل ریگستانی اور سنگستانی صحراؤں میں بیچارے صرف اسلئے گھومتے رہتے تھے، تاکہ دو وقت کی خشک روٹی خواہ کسی شکل میں ہو مل جائے، اور وہ بھی بہ مشکل میسر آتی تھی، لیکن اسلام نے ایک طرف ان کے باطنی قوی اور ذہنی طلب میں یہ طوفان برپا کیا، دوسری طرف پندرہ بیس سال کی مدت میں جسمانی اور معاشی مطالبوں کے لئے رسد کا ایک ایسا بے تھاہ سمندر ان کے اس غیر آباد قلیل التعداد ملک میں ٹھاٹھیں مارنے لگا، کہ سچ یہ ہے، کہ اسکی نظیر بھی عرب

کے آسمانوں نے نہ اس سے پہلے دیکھی تھی، اور نہ آج تک پھر وہ تماشا دیکھنا اسے نصیب ہوا
اُن خزائن اور دفائن غنائم اور نفل کے سوا جو قرنہا قرن سے کسریٰ ایران کے خزانے مین جمع
ہورہے تھے، یا وہ دولت جو زمینِ فرعون (مصر) سے یا ارضِ شام سے آئی تھی، ستون نی
ستین یعنی ساٹھ گز لمبا ساٹھ گز چوڑا) والا جواہر نگار بہار نامی ایرانی غالیچہ جس کے تمام نقش و نگار
جن کا تعلق مختلف مناظر اور موسمون سے تھا، انمول جواہرات کے ذریعہ سے کاڑھے گئے
تھے، کسریٰ کا وہ مرصع تاج جو اپنے قیمتی اور وزنی پتھرون کی وجہ سے بجائے سر پر رکھے کے
سونے کی زنجیر سے لٹکا دیا جاتا تھا، اور کج کلاہ ایران اسی مین اپنا سر داخل کر دیتا تھا، کھجورون
کے تنہ پر مدینہ مین جو مسجد کھڑی تھی، اس مین یکے بعد دیگرے یہ سب کچھ ہر طرف سے چلا
آرہا تھا، خوراکی رسد کا یہ حال تھا کہ عام رمادہ کے قحط مین حضرت عمرؓ نے مصر کے والی عمرو بنؓ
عاص کو غلہ کے لئے جب لکھا تو انھون نے جواب دیا، کہ اونٹون کی ایسی قطار غلہ سے لاد کر
پایۂ تخت خلافت مین بھیجتا ہون جس کا پہلا اونٹ مدینہ مین ہوگا، اور آخری اونٹ کی دم میرے ہاتھ
مین ہوگی، یہ سب تو وقتی دولت تھی، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ دس پندرہ سال کے عرصہ
مین حجاز، یمن، یمامہ، بحرین، عراق، ایران، شام، مصر کے لاکھون مربع میل کے جو علاقے فتح
ہوئے، جن مین بجز حجاز کے تقریباً اکثر حصہ صرف ثروت و دولت کا بے پناہ سرچشمہ تھا
مصر سے پہلا خط عمرو بن العاص کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام آیا تھا، کہ ایک ایسی زمین
پر خدا نے قبضہ دلایا ہے، جو اچانک موتی کی طرح سفید اور پھر عنبر کی مانند سیاہ اور اسی
کے بعد ہیرے کے مانند سرسبز ہو جاتی ہے، ان سارے علاقون کا ایک بڑا حصہ اصحاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگیرون پر تقسیم کر دیا گیا تھا، کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اموال
غنیمت کے حصون کے ساتھ ساتھ ہر صحابی کے گھر مین سالانہ کتنی دولت ان جاگیرون سے

آتی تھی، تاریخون مین اس کی تفصیل موجود ہے، ذہبی نے لکھا ہے کہ عہدِ فاروقی تک پہونچتے
پہونچتے مدینہ کے بازار کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ عہدِ نبوت مین جس گدھے کی قیمت پندرہ درہم تھی
اب وہ پندرہ سو مین ملتا تھا، بخاری کی مشہور روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے غابہ کی زمین جو مدینہ کے پاس ہے، کل ایک لاکھ ستر ہزار درہم مین مول لی تھی، لیکن ان کے
بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے جب فروخت فرمایا تو اسکی قیمت سولہ لاکھ ملی
تھی، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی داد و دہش کی وجہ سے مرنے کے وقت ایک پیسہ نہ
چھوڑ سکے، لیکن مکانات اور زمین کی شکل مین جو ان کی جائداد تھی، اسکی قیمت جیسا کہ بخاری مین
ہے، پچاس کرور دو لاکھ لگائی گئی تھی، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے انتقال کے وقت جو
ترکہ چھوڑا اس کا حساب تو بہت طویل ہے، لیکن فراخی و فراغبالی کا اس سے اندازہ ہوسکتا
ہے، کہ اپنے ثلث مال سے انھون نے وصیت کی تھی، کہ ہر بدری صحابی (جن کی تعداد اس وقت
تقریباً ایک سو کے قریب رہ گئی تھی) چار چار سو دینار دیے جائین، صحابہ اور صحابہ کی اولادن
جو وہی عرب تھے جن کے پاس ہزار کے اوپر عدد کے لئے کوئی لفظ ہی نہ تھا، لاکھون اور کرورون
کی تعداد مین ایک ایک وقت مین صرف خیرات کرتی تھی، یا اپنے ملنے جلنے والے احباب و
اعزہ کو دے ڈالتی تھی، عام تاریخی کتابون مین بکثرت ان کی داد و دہش کے واقعات کا ذکر
ہے، بخوفِ طوالت ان کی تفصیل ترک کیجاتی ہے،

بہرحال مجھے حدیث کے ابتدائی رواۃ یا اس تاریخ کے ابتدائی مورخین کی دولت اور
آمدنی کی تفصیل مقصود نہین ہے، بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ گذشتہ بالا حالات کے ساتھ جب
ان کی معاشی فراغبالی کو بھی پیش نظر رکھا جائے، اور پھر سوچا جائے کہ علم کی پیاس کی جو آگ
اُن کے دل مین لگائی گئی تھی، اس کی تسکین کے لئے ان کے پاس کتنے وسیع مواقع قدرت نے

مہیا کر دیے تھے، ہو سکتا تھا اور تھوڑے دنون بعد ہو بھی گیا، کہ مال و دولت کی اس فراوانی نے انہی صحابیون کی دوسری اور تیسری پشت مین ان امیرانہ مشاغل کو پیدا کر دیا تھا[1] جو اس کے لازمی نتائج ہین، لیکن ہم جن لوگون سے بحث کر رہے ہین، ان مین ایک ایسا روحانی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ کردار کے اس بلند اسلامی معیار کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان مین پیدا کر دیا تھا، اور اسکی شہادت ان کی زندگی سے ملتی ہے، بجائے رنگ رلیون کے ان کے مصارف وہی تھے، جو اسلام نے ان کے لئے مقرر کیا تھا، ہر ایک نیکی کرنے مین ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا، وہی عبدالرحمٰن بن عوفؓ جن کا ذکر ابھی گذرا مشہور بات ہے کہ اپنے ذاتی روپیے سے خرید خرید کر انھون نے تقریبًا تیس ہزار غلامون کو آزاد کیا تھا، اور ازین قبیل سب ہی کا یہی حال تھا، صرف یہی نہیں بلکہ ان مین اکثر خصوصًا جن کا زیادہ میلان تعلیم قرآن اور تدوین حدیث کی طرف تھا، ان کی تمام جائدادون اور مالی ذرائع کی نگرانی بھی قہرمانون اور قیمون کے سپرد تھی، وہی وصول کرتے تھے، اور وہی اس کا حساب کتاب رکھتے تھے، ان بزرگون کو اپنے کام کے سوا اور کسی بات سے کوئی سروکار نہ تھا، حضرت ابن عباسؓ جو ترجمان القرآن "حبر الامۃ" وغیرہ عالمانہ القاب سے ملقب ہین، اور تدوینِ حدیث مین ان کا بھی بڑا حصہ ہے، ان کے ایک بھائی عبید اللہؓ کی طبیعت کا میلان تو جود و سخا کی طرف تھا، کہا جاتا ہے، کہ معمولی معمولی باتون پر ہزارون روپئے لوگون کو دے دیے تھے، ایک شخص نے ان سے آکر کہا کہ تم پر میرا حق ہے،

[1] قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین روایت درج کی ہے، کہ فارس کے غنائم حنین الجوہر اللؤلؤ والذہب والفضہ کی کثیر مقدار تھی، حضرت عمرؓ کے سامنے جب ان کا ڈھیر لگایا گیا، تو رونے لگے، اور فرمایا کہ جس قوم کو یہ چیزین ملین بالآخر ان مین بغض و عداوت کا پیدا ہونا ضرور ہے، ۱۲،

بولے کیا، اوس نے کہا کہ تم چاہِ زمزم پر پانی پی رہے تھے، چہرہ پر دھوپ پڑ رہی تھی، مین نے اپنی چادر سے سایہ کر دیا تھا، بولے ہان تیرا احسان یاد ہے، قیم (دار وغہ) کو آواز دی، پوچھا تیری تحویل مین اس وقت کتنی رقم ہے؟ دس ہزار درہم نقرئی اور دو سو طلائی دینار ہین، اوس نے جواب دیا، حضرت عبید اللہؓ نے حکم دیا سب اس شخص کو دیدو، اور یہ ان کا عام حال تھا، لیکن وہی دولت جسے عبید اللہ اس طریقہ سے خرچ کرتے تھے، ان کے بڑے بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کی نشر و اشاعت پر صرف فرماتے تھے، بخاری مین ان کے مشہور شاگرد ابو جمرہ سے مروی ہے، کہ صرف اس لئے تاکہ ابن عباسؓ کی آواز دوسرون تک وہ پہونچایا کرین[1]، حضرت نے اپنی آمدنی کا ایک حصہ ابو جمرہ کے لئے مخصوص فرما دیا تھا، اور یہ حال تو اس وقت کا ہے جب مسند درس پر جلوہ فرما ہو چکے تھے، لیکن یہی ابن عباسؓ باوجود اس ثروت و دولت کے اپنے طلبِ حدیث کے دنون کو یاد کر کے فرماتے،

کنت لآتی الرجل فی الحدیث	حدیث کے طلب مین مین کسی ایسے آدمی
یبلغنی انہ سمعہ من رسول	کے پاس آتا جن کے متعلق مجھے خبر ملتی کہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجدہ	انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
قائلا فاتوسد ردائی علی بابہ	سے کچھ سنا ہے، اور پاتا کہ وہ دوپہر
تسفی الریح التراب علی وجھی	مین آرام کر رہے ہین، تو اپنی چادر کو تکیہ
حتی یخرج فاذا خرج قال یا ابن	بنا کر ان کے دروازے پر پڑ جاتا، ہوائین
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	دھول اڑا اڑا کر میرے چہرے پر ڈالتین

[1] بعضون کا خیال یہ بھی ہے، کہ ابو جمرہ چونکہ فارسی جانتے تھے، اس لئے حضرت ابن عباسؓ کی باتون کا ترجمہ عربی نہ جاننے والون کو سنا دیا کرتے تھے، ممکن ہے کہ دونون کام کرتے ہون، ۱۲،

مالك فاقول بلغني حديث عنك انك تحدثه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحببت ان اسمعه منك فيقول هلا بعثت الي حتى آتيك فاقول انا احق اليك،

(دارمی)

اور مین اسی حال مین پڑا رہتا، تاآنکہ خود وہ آدمی باہر نکل آتے، باہر نکل کر (جب مجھے دیکھتے) تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے آپ کہان تشریف لائے ہین، مین کہتا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تم کوئی حدیث روایت کرتے ہو، مین نے چاہا کہ اس حدیث کو تم سے سنون، جواب مین وہ صاحب کہتے، آپ کسی کو بھیج دیے ہوتے، مین خود حاضر ہو جاتا، مین کہتا کہ تمھارے پاس حاضر ہونے کا مستحق مین ہون،

صحابۂ کرام اور ان کے تلامذہ تابعین تبع تابعین نیز دوسرے ائمہ اور بزرگون نے اس فن کی تدوین مین کیا کیا مشقتین برداشت کی ہین، ان کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے، اس مثال کے پیش کرنے کی غرض اس وقت صرف یہ تھی، کہ دولت وامارت نے ان کو امیرانہ چونچلون مین الجھا نہیں دیا تھا، بلکہ ان مین کتنے ایسے تھے جن کی آمدنی کا اکثر حصہ اسی علم کی خدمت مین صرف ہوتا تھا، مردون ہی مین نہیں، بلکہ عورتون مین بھی اس علمی ولولہ کی یہ کیفیت تھی، کہ معمولی معمولی عورتین محض اس لئے کہ ان کا بچہ فنِ حدیث کا عالم ہو جائے، ہزارہا روپئے خرچ کر ڈالتی تھین، اس موقع پر عہدِ صحابہ کا قصہ یاد آیا کہ فروخ نامی ایک معمولی آدمی تھے، آزاد شدہ غلامون کے طبقہ سے ان کا تعلق تھا، غالباً فوج مین ملازم تھے، لیکن اس وقت مدینہ کی دولت کا یہ

حال تھا کہ ادنی ادنی غلام سپاہی بھی تیس تیس چالیس چالیس ہزار دینار طلائی سکہ پس انداز کر سکتا تھا، تقریباً سیر کی اکثر کتابون مین یہ واقعہ درج ہے، کہ اپنا سارا اندوختہ بیوی کو سپرد کر کے وہ کسی نوکری پر طویل مدت کے لئے باہر چلے گئے، پندرہ بیس سال کے بعد واپسی ہوئی، جس وقت جا رہے تھے، ان کی بیوی حاملہ تھین عقب مین لڑکا پیدا ہوا، نام ربیعہ رکھا گیا، اس نیک دل خاتون کے علمی ذوق کا حال سنئے کہ انھون نے شوہر کے سارے اندوختہ کو بچے کی تعلیم وتربیت پر ختم کر دیا، اور اس زمانہ کی تعلیم کیا تھی، یہی قرآن وحدیث کی خدمت، فروخ جب گھر واپس آئے، تو لڑکا جوان ہو کر نہ صرف عالم بلکہ مسجدِ نبوی کے حلقہائے درس کے ایک ممتاز ترین معلم کی حیثیت حاصل کر چکا تھا، امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری جیسے لوگ جنھین بعد کو امت مین امامت کا منصب عطا ہوا، وہ ان کے شاگردون مین شریک تھے، فروخ باہر سے بھی چار پانچ ہزار روپیہ کما کر لائے تھے، دو تین دن کے بعد بیوی سے اپنے گذشتہ پس انداز کا حساب دریافت کیا، بولین کہ سب کو مین نے گاڑ رکھا ہے، کچھ دم لیلو تو انھین نکالون، لیکن ذرا کل تم صبح کی نماز کے بعد مسجدِ نبوی کے حلقہائے درس مین گشت تو لگانا، دوسرے دن انھون نے یہی کیا، ایک حلقہ مین پہونچے تو خدا کی قدرت نظر آئی کہ ان کے لڑکے کو چارون طرف سے شاگردون کا حلقہ گھیرے ہوئے ہے، خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے، گھر پہونچے، اور بیوی سے حال بیان کیا، بیوی نے کہا کہو روپیہ لینا چاہتے ہو یا ایسا عالم لڑکا، مین نے تمھارے روپیے اسی کی تعلیم پر خرچ کر دیے، فروخ نے اپنی بیوی کی تحسین کی،

علمِ حدیث کی تفصیل وتدوین، اشاعت ونشر مین عہدِ صحابہ اور اس کے بعد لوگون نے کتنی حیرت انگیز مالی قربانیان کی ہین، اس کے لئے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، مین

اس وقت صرف دماغوں کو ادھر متوجہ کرنا چاہتا ہون، کہ منجملہ دیگر اسباب کے عہدِ
صحابہ کی معاشی فراغبالی کو بھی دنیا کی تاریخ کے اس عجیب حصہ کی حفاظت مین غیر معمولی
دخل ہو، اور یہ سچ بھی ہے، کہ جو کام کہ

دو یار زیرک و ز بادہ کہن دو منے — فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے

کے ماحول مین انجام پاسکتا ہے، "چہ خورد بامداد فرزندم" کے سوال کے ہتھوڑون سے چُور دِلون
مین بجز خاص استثنائی صورتون کے عموماً ایسے پراگندہ روزون سے پراگندہ دماغی ہی
کی توقع کیجا سکتی ہے؟

خصوصاً جو واقعہ خاص اس علم کے ساتھ پیش آیا ہے، اس کے لئے تو یہ ہونا زیادہ ضروری
تھا کہ چند گنے گنائے آدمیون سے اس کا تعلق نہین ہے، اگر ایسا ہوتا تو استثنائی قانون کا ممکن
تھا کہ ظہور ہوتا، لیکن آپ کو آیندہ معلوم ہوگا، کہ تاریخ کے اس بسیط اور مختصر حصہ کے بیان کرنیوالون
کی تعداد لاکھون سے متجاوز ہے، میرا مقصد یہ ہے کہ اب تک حدیث کے ابتدائی راویون یعنی
صحابہ کرام کے کیفی حالات و خصوصیات سے مین بحث کررہا تھا، لیکن اس تاریخ کے مورخون
کا جو تعدادی امتیاز ہے، میرے خیال مین تدوینِ حدیث کے "قدرتی عوامل" مین غور و فکر کیلئے
ان کو بھی کچھ کم اہمیت حاصل نہین ہے، بلکہ ایک لحاظ سے تو یہ اس فن کی ایک ایسی امتیازی
شان ہے جس کی نظیر فنِ تاریخ ہی مین نہین دوسرے علوم مین بھی بہ مشکل
مل سکتی ہے، ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ مشہور فقرہ کہ کوئی قوم دنیا مین ایسی گذری نہ آج موجود ہے جنھوں نے
مسلمانون کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ
لاکھ شخصون کا حال معلوم ہوسکتا ہو۔

اسماء الرجال اور اسکی ضرورت کی تفصیل تو آگے آئے گی، مین اس وقت آپ کی توجہ

اس تاریخ کے اساسی مورخون کی تعداد اور ان کی مختلف نوعیتون کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہون،

حدیث کے ابتدائی راویوں کی تعداد

غور کیجئے! انصاف سے کہنا چاہئے کہ علمی دنیا کے ہاتھ مین
آج تاریخ کا جتنا کچھ بھی سرمایہ ہے، وہی جس کی تعلیم و تعلم پر جامعات اور یونیورسٹیون مین اور
نشر و اشاعت، تدوین و ترتیب پر، تصنیف گاہون اور مطابع و اشاعتی ادارون مین حکومتون
اور عام پبلک کی جانب سے بلا مبالغہ ہر سال کروڑہا کروڑ روپیے صرف ہو رہے ہین، اور ان
تمام مصارف کا شمار بہترین علمی خدمتون مین ہے، اور بلاشبہہ یہ بہت بڑی علمی خدمت ہے، لیکن
تھوڑی دیر کے لئے اپنے اس علمی و فنی سرمایہ کا جائزہ لیجئے، قدیم ہو یا جدید تاریخ کے کسی حصہ
پر اس حیثیت سے نظر ڈالئے، کہ ابتدا مین ان واقعات کے بیان کرنے والون یا ان کو دیکھا
کرنے والون کی تعداد کیا تھی، ؟ قطع نظر اس سے جیسا کہ مین نے شروع مین کہا تھا، کہ واقعات
کے عینی شاہدون کا ان تاریخون مین بجائے خود ایک پیچیدہ ترین سوال ہے، اور بالفرض اگر
خوش قسمتی سے تاریخ کا کوئی حصہ ایسا مل بھی جائے، جسے ہم خود چشم دید گواہون کا بیان قرار
دے سکتے ہون، اور اسی کے ساتھ یہ بھی مان لیا جائے کہ ہمین ان کی دماغی اور اخلاقی منزلت
کا بھی کسی نہ کسی ذریعہ سے علم حاصل ہوگیا ہو، اگرچہ جاننے والے جانتے ہین، کہ یہ کوئی آسان مرحلہ
نہین ہے، تاہم مان لیجئے کہ اس مین کامیابی ہو بھی جائے، پھر بھی جہان تک میرے معلومات ہین
اور میرا اندازہ ہے، ان تاریخون کے ابتدائی راویون کی تعداد بہ مشکل ایک دو سے آگے متجاوز
ہوسکتی ہے، آخر ہماری تاریخون کی آج جو کچھ بھی بنیاد ہے، وہ کوئی پرانے زمانہ کی کسی پرانے
مصنف کی کوئی یادگار، پرانی قبرون کا کوئی کتبہ، پرانے سکون کے ٹھپے، پرانے کھنڈرون
کی کوئی ٹھیکری یا برجی تختی، یا از این قبیل کوئی اور چیز، یقینی سے یقینی تر چیز کسی شخص کی ذاتی خود نوشت
سوانح عمری ہوسکتی ہے، اس احتمال کے سوا کہ اس قسم کی بیوگرافیان کیا موجودہ زمانہ کے

میٹو فسٹی بیانات نہین ہوسکتین اور مان لیا جائے کہ ان مین گفتنی کے ساتھ تمام ناگفتنیون کے اندراج کا بھی التزام کیا گیا ہو، یا یون کہئے کہ صاحبِ شعر و دیوان ہونے کی حیثیت کے ساتھ محلہ والون[۱] کے معلومات بھی اس مین بیان کئے گئے ہون، اور جن کے کردار و سیرت کے متعلق ہمارے پاس کوئی شہادت موجود نہ ہو، ہر قسم کے وسوسے ان کے متعلق پیدا ہو سکتے ہین، لیکن ان سب سے بھی اگر قطعِ نظر کر لیا جائے تو جب بھی اس یقینی ترین تاریخی سرمایہ وجود کو ثبت سوانحری کی حیثیت ایک شخصی بیان ہی کی ہو سکتی ہے، اخلاقی اطمینان کے باوجود ایک شخصی دماغ پرنسیان و ذہول، بھول چوک کی راہین جتنی کھلی ہوئی ہین، ظاہر ہے،

لیکن اب آئیے تاریخ کے اس نادرہ روزگار حصہ پر نظر ڈالئے جس کا نام "حدیث" ہے جن چشم دید گواہون، اور عینی شاہدون کے بیانات سے یہ "واقعات" حاصل کئے گئے ہین ان کی تعداد کیا تھی، ابھی سلسلۂ روایت کے بعد کی کڑیون سے بحث نہین، بلکہ آپ کے سامنے اس کا صرف پہلا حلقہ یعنی ان لوگون کا سوال ہے، جو خود اس واقعہ مین شریک تھے، انھون نے اس کو دیکھا، اور اس نظر سے دیکھا جس سے ہر معمولی واقعہ نہین دیکھا جاتا، بلکہ ایک امتی جس نظر سے اپنے پیغمبر کو، یا ایک مرید اپنے پیر کو یا صاف لفظون مین کہئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب و غریب صحابیون نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ دیکھنے کے بھی وہ ذمہ دار تھے، اور بیان کرنے کے بھی ذمہ دار تھے، جانتے ہین کہ ان کی تعداد کیا تھی، علی بن ابی زرعہ جو فنِ رجال کے بڑے مشہور ائمہ مین ہین ان سے یہی سوال پوچھا گیا، جوا

[۱] یہ اکبر مرحوم کے مشہور شعر

اکبر کی حقیقت کو تم کچھ پوچھو محلے والون سے — ہان شعر تو اچھا کہتے ہین، دیوان تو انکا دیکھا ہے

کی طرف تلمیح ہے۔ ۱۲

مین انھون نے فرمایا،

توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن رآہ وسمع منہ زیادۃ علی مائۃ الف انسان من رجل و امراۃ کلہم قد روی عنہ سماعا او رؤیۃ،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جس وقت ہوئی، اس وقت ان لوگون کی تعداد جنھون نے حضورؐ کو دیکھا، اور آپ سے سنا تھا، ایک لاکھ سے زیادہ تھی، ان مین مرد بھی تھے اور عورتین بھی سب حضورؐ سے سن کر اور دیکھکر روایت کرتے تھے،
(اصابہ ص ۳ جلد ۱)	

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ابن ابی زرعہ نے یہ صحابیون کی تعداد نہین بتائی ہے، بلکہ ان خاص اصحاب کی تعداد ہے، جنھون نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور دیکھنے کے بعد آپ کے متعلق کوئی نہ کوئی بات روایت کی ہے، "حدیث" تاریخ کے جس حصہ کی تعبیر ہے، اس کے ابتدائی روا کی یہ تعداد کیا کوئی معمولی بات ہے؟ عموماً اس کو سن لیا جاتا ہے، اور لوگ گذر جاتے ہین لیکن مقابلہ سے بات سمجھ مین آتی ہے، ایک طرف آپ کے سامنے تاریخ کا وہ ذخیرہ ہے جس کے ابتدائی راویون کا حال اگر معلوم بھی ہو سکتا ہے، تو ان کی تعداد دو تین سے آگے بمشکل متجاوز ہو سکتی ہے، اور بیچاری ایک تاریخ کیا بڑے بڑے مذہبی مستندات جن کے بھروسہ مین آج کروڑہا کروڑ انسان ایمانی زندگی بسر کر رہے ہین، زیادہ تر ان کا بھی یہی حال ہے، خیال تو کیجئے کہ کہان ایک لوقا[۱] ایک مرقس یا ایک سنجے گاڈیبان کا بیان، اور کہان یہ ایک لاکھ

[۱] مختلف انجیلون کے مختلف ابتدائی راویون کے نام ہین اور سنجے اس گاڈیبان کا نام ہے جو ہندون کی مشہور کتاب "گیتا" کا سری کرشن سے تنہا راوی ہے، محض اسی کی روایت کی بنیاد پر ہندو گیتا کو گویا ایک قسم کی آسمانی کتاب سمجھتے ہین

سے اور چشم دید گواہون کی شہادتین، پھر بھی تو دیکھنا چاہئے کہ عام تاریخی واقعات جیساکہ پہلے بھی کہہ چکا ہون پراگندہ اور منتشر کترنون کا مجموعہ ہین، لیکن ان مین بکھری ہوئی کترنون کے سمیٹنے والے ایک دو، ادھر ایک شخصی ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، جن کی سچی اور ہو بہو جیسے کہ وہ تھے ان کی تصویر اتارنے کے لئے اردگرد لاکھون زندہ آنکھون کے کیمرے قدرت کی جانب سے کھڑے کئے گئے ہین،

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

راویون کی تعدادی مقدار کے روایت پر کیا کیا اثرات مرتب ہوسکتے ہین، ہر ادنیٰ تامل ہم اسے سمجھ سکتے ہین،

کثرت تعداد کا روایتون کی وثاقت پر اثر

سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ ایک یا دو آدمی سے ظاہر ہے کہ اتنے واقعات کا احاطہ یقیناً ناممکن ہے، جو مشاہدہ کرنے والون کی کثرت کی صورت مین ممکن ہے، پھر اسی کے ساتھ جب اس کو بھی ملا لیتے ہین، کہ ان راویون مین صرف مرد ہی نہین، بلکہ عورتون کی ایک بڑی جماعت شریک ہے، تو احاطہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مورخین صرف مرد ہوتے، تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ ہم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے محض وہی واقعات پہونچے ہین جن کا تعلق گھر کے باہر کی زندگی سے ہے، لیکن بجائے جلوت کے خلوت یا گھریلو زندگی کے حالات پر یقیناً پردہ پڑا رہتا، اور ایسے بہت سے مسائل جن کا خصوصی تعلق صرف عورتون سے ہے، ان کے متعلق کوئی واضح ہدایت نامہ ہمارے پاس نہ ہوتا، لیکن کون نہین جانتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو جلوت کا ہو یا خلوت کا، کسی کو راز مین نہین رکھا گیا، راویون کی کثرت اور ان کی مختلف نوعیتون ہی کا نتیجہ ہے کہ دوست ہی نہین، آج دشمن بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہین کہ

"یہان پورے دن کی روشنی ہے، جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے"

یہ باسورتھ اسمتھ کی شہادت ہے جسکا اظہار اوس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ([illegible]) مین کیا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی اگر ملحوظ رکھا جائے، کہ باہر مین ہو یا اندر مین قدرت نے ایسے اسباب فراہم کر دیے تھے، کہ صحرائے عرب کے ایک دور افتادہ نخلستانی قصبہ مین تقریباً دنیا کے بڑے بڑے قابل ذکر مذاہب یعنی بت پرستی، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت کے ماننے والون کو مسلمان کر کے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک مین پہنچا دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی و تکمیلی زدین دنیا کے تمام مذاہب پر جو پڑ رہی تھین، اس کے سمجھنے کے لئے خود ان مذاہب کے جاننے والون کی ضرورت تھی، اور قدرت نے اس کا بھی سامان کر دیا تھا، باہر مین بھی اور اندر مین بھی، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہین ہے، اور عام طور پر لوگ اس سے واقف بھی ہین، عملی طور پر ان عینی شاہدون کی کثرت کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ قطع نظر اس سے کہ ایک واقعہ کے جب بہت سے دیکھنے والے ہوتے ہین، تو اکثر ایک دوسرے کی تکذیب کے خیال سے عموماً غلط بیانی کرنے مین ہچکچاتا ہے، اگرچہ صحابۂ کرام کے جن خصوصیات کا ذکر مین نے اوپر کیا ہے، اور یون بھی ان سے قصداً کسی غلط بیانی کی کون توقع کرسکتا ہے لیکن جیساکہ قرآن نے قانون شہادت کے ذکر کے سلسلہ مین بیان کیا ہے، کہ ایک گواہ کے سمجھنے یا یاد رکھنے مین اگر کوئی غلطی ہوئی ہو، تو دوسرا اسکی اصلاح کرسکتا ہے، حدیث کے پڑھنے والے جانتے ہیں، کہ ایک موقع پر نہین بلکہ متعدد مواقع اس قسم کے پیش آئے ہین جہان راویون کی کثرت تعداد کی وجہ سے غلط فہمیون کی اصلاح ہوئی ہے، میرا مضمون بہت طویل ہو جائے گا، ورنہ ان کے نظائر جن سے معمولی طلبہ تک واقف ہین، یہان پیش کرتا، ماسوا اس کے صحابی راویون کی جو تعداد ابن ابی زرعہ کے حوالے سے مین نے اوپر نقل کی ہے

ظاہر ہے کہ صحبت مبارک مین ان سب کا اجتماع ایک وقت مین نہین ہوا تھا، اور نہ یہ ممکن تھا کہ ہر لحہ یا ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ یہ سارا مجمع رہتا، اگرچہ حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً لاکھ سے اوپر صحابیون کا مجمع جمع ہوگیا تھا، لیکن یہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے ورنہ عموماً مدینہ منورہ مین جو تعداد صحابہ کی رہتی تھی، یا غزوات و اسفار مین جو لوگ آپکے ساتھ ہوتے تھے انکی ظاہر ہے کہ اتنی تعداد کبھی اکٹھی نہین ہوئی، بیس ہزار، دس ہزار، پانچہزار، تین ہزار، چار ہزار، یا اس سے نیچے کی تعداد فوجی مہمون مین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عموماً رہی ہے، اگرچہ مدینہ منورہ مین ابتداءً انصار کے ساتھ مہاجرین کا ایک مختصر گروہ آپ کے ساتھ تھا، لیکن جس وقت غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا ہے، کعب بن مالک جو اس سفر مین رفاقت سے محروم رہے تھے، اور اس کا ایک دلچسپ واقعہ بخاری مین انہی کی زبانی منقول ہے اس مین مدینہ کے اصحاب کا ذکر فرماتے ہوئے آپنے یہ جملہ فرمایا تھا،:-

والناس کثیر لا یحصیہ دیوان،	لوگ بکثرت تھے، کسی دفتر مین انکی تعداد منضبط نہ تھی،

بہرحال مدینہ منورہ مین بالآخر اچھی خاصی جماعت باہر کے مہاجرین کی بھی جمع ہوگئی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان سب کو ہر وقت اپنے مختلف مشاغل کی وجہ سے مجلس مبارک مین حاضری میسر نہیں آتی تھی، کسی وقت کوئی رہتا تھا، کسی وقت کوئی، اب اگر راویون کی تعداد دو چار پر ختم ہوجاتی، تو کیا وہ ذخیرہ جمع ہوسکتا تھا، جو آج جمع ہوا ہے، واقعہ یہ ہے کہ گردوپیش مین ان ہزارون مردون اور عورتون کے رہنے آنے جانے کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ہر ایک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی نہ کسی واقعہ یا کسی قول کے محفوظ کرنے کا موقع ملا، اور اپنی مذکورۂ بالا ذمہ داریون کی بنیاد پر بعض لوگون نے تو یہ عام قاعدہ مقرر کر لیا تھا، کہ اپنی حاضری کے دنون مین اس عہد کے

غریب شخصی تاریخ کے متعلق جن واقعات کا علم حاصل ہوتا تھا، دوسرے دن اپنے غائب رفیق کو من وعن سنا دیا کرتے تھے، بخاری مین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:-

کنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیۃ بن زید وھی من عوالی المدینۃ وکنا نتناوب النزول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل یوماً وانزل یوماً فاذا انزلت جئتہ بخبر ذلک الیوم من الوحی وغیرہ واذا نزل فعل مثل ذلک،	مین اور میرا ایک انصاری پڑوسی، ہم دونون امیہ بن زید والون کی بستی مین رہتے تھے، اور مدینہ کے عوالی کی یہ بھی ایک بستی ہے، اور ہم دونون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین باری باری سے حاضر ہوتے تھے، ایک دن وہ حاضر ہوتے، ایک دن مین حاضری دیتا، مین جس دن حاضر ہوتا اس دن کے حالات اور خبرین وحی وغیرہ کی ان کو سناتا، اور جب وہ حاضر ہوتے تو یہی کرتے،

ابتدائے اسلام مین محدود معاشی ذرائع ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا، مہاجرین بیچارون کو اپنے اپنے اہل وعیال کی پرورش کے لئے عموماً بیوپار یا صنعتی کاروبار مین مشغول ہونا پڑتا تھا، جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا، یہان آپ کی نگرانی مین کپڑے بننے کی کارگاہین تھین سنخ نامی گاؤن مین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارخانہ تھا، انصار عموماً اپنے باغون اور کھیتون پر کام کرتے تھے، لیکن با این ہمہ ایک جماعت ان لوگون کی بھی تھی جو اپنے در گھر سے جدا ہوکر، نو مسلمون کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی مین صفہ نا

جو مدرسہ قائم فرمایا تھا، اس میں داخل ہو جاتے تھے، ان کے قیام و طعام کا نظم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا مدینہ کے خوش باش لوگ کیا کرتے تھے، اس لئے معاشی افکار سے الگ ہو کر ان کا زیادہ کام یہی تھا، کہ قرآن سیکھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و سنن کو یاد کریں، اسی جماعت کے سرگروہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں لوگوں کو ان کی کثرتِ روایت پر کبھی تعجب ہوتا تو خود ہی فرماتے،

انکم تزعمون ان اباهريرة
يكثر الحديث عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم والله
الموعد انى كنت امرءً مسكينًا
اصحب رسول الله صلى الله
عليه وسلم على ملاء بطنى
وكان المهاجرون يشغلهم
الصفق بالاسواق وكانت
الانصار يشغلهم القيام

(بخاری) کتاب العلم

تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ابوہریرہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حدیثیں بیان
کیا کرتا ہے، اور قسم ہے خدا کی کہ میں
ایک غریب مسکین آدمی تھا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف پیٹ پر
پڑا رہتا تھا، اور مہاجرین بازاروں
کے کاروبار میں مشغول رہتے، اور
انصار اپنے اموال (باغ اور کھیت)
میں الجھے رہتے،

ایک دوسرے موقع پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس سلسلہ میں وہ کیا کرتے تھے خود تفصیل فرماتے ہیں،

قدمت على رسول الله
صلى الله عليه وسلم
بخيبر وانا يومئذ قد زدت

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں بہ مقام خیبر حاضر ہوا اس
وقت میری عمر تیس سال سے اوپر

على الثلثين فاقمت معه
حتى مات وادور معه
بيوت نسائه واخدمه
واغز معه واحج،

(ابن سعد)

ہو چکی تھی، پھر میں نے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس قیام کر لیا، یہاں تک
کہ آپ کی وفات ہو گئی، میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی
عورتوں کے گھروں میں گھوما کرتا
اور آپ کی خدمت کرتا، حضورؐ کے
ساتھ جہاد کرتا، حج کرتا رہا،

طالب العلمی کے ان دنوں میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا کیا گذری بعد کو مزے لے لے کر بیان کرتے، کبھی کہتے جیسا کہ امام بخاری راوی ہیں،

والله الذى لا اله الا هو
ان كنت لاعتمد على
الارض بكبدى من الجوع
واشد الحجر على بطنى،

اسی خدا کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ
نہیں ہے، کہ بھوک کی وجہ سے میں جگر
تھام کر زمین پر ٹیک لگا لیتا، اور اپنے
پیٹ پر پتھر باندھتا،

کبھی فرماتے :-

رائيتنى اصرع بين منبر
رسول الله صلى الله عليه
وسلم وحجرة عائشة
فيقال مجنون ومابى جنون ان
هى الا الجوع (صحاح)

[illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا کے حجرہ کے درمیان میں چکرا کر گر پڑتا،
خیال کیا جاتا کہ میں پاگل ہوں، حالانکہ
مجھے جنون سے کیا تعلق، وہ تو صرف بھوک

مگر یہ سب کچھ گذر رہا تھا، دوسرے ساتھیون کو یہ بھی دیکھ رہے تھے اکہ کاروبار کرکے آرام اٹھارہے ہین، لیکن تیس بتیس سال کا یہ دوسی یمنی نوجوان

موجِ خون سر سے گذر ہی کیون نہ جائے آستانِ یار سے اٹھ جائین کیا،

کہکر بیٹھ گیا تھا، اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک کہ حتی توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور اس قسم کے یہ ایک آدمی نہین ہین، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جن کا خطاب ہی صحابہ کی جماعت مین صاحب النعلین[1] والسواک والوسادہ تھا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہین، کہ ہم جب یمن سے آئے، تو ابنِ مسعودؓ کے متعلق مدت تک ہم سمجھتے رہے کہ

انہ رجل من اھل بیت رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما نری من دخولہ ودخول امہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (اصابہ)	وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے کوئی آدمی ہین، جس کی وجہ ان کی اور ان کی مان کی آمد ورفت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی رہتی تھی،

ان کو دربارِ رسالت سے یہ حکم ملا ہوا تھا کہ

"علی ترفع الحجاب وتسمع سوادی" (اصابہ)	تم ابن مسعود! پردہ کو اٹھا کر میرے حجرہ مین آسکتے ہو، اور تنہائی کی گفتگو سن سکتے ہو،

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہین جو ۹ سال تک مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیان، مسواک اور گدے کی نگرانی ان ہی کے ذمہ تھی، اس لئے ان کو یہ خطاب دیا گیا تھا ۱۲،

کی خانگی خدمت مین رہے، اور ان کے سوا بھی حضورؐ کے موالی مثلاً رافع بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہین، جو بہت کم مجلسِ رسالت کی حاضری سے محروم رہتے تھے، یہ تو مردون مین اور عورتون مین یہی حال امہات المومنین کا تھا، جن مین کوئی نہ کوئی خلوت کی زندگی مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھین، ان ہی باتون کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ مین جن لوگون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جن امور کا علم براہِ راست حاصل نہ ہوتا تھا وہ انکو اپنے دوسرے بھائیون اور ساتھیون کے ذریعہ سے معلوم کر لیا کرتے تھے، اور اس مین بڑے اور چھوٹے کی بحث نہین تھی، خود حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ

کانوا یعرفون لزومی فیسالونی عن حدیثہ منھم عمر وعثمان وعلی وطلحۃ والزبیر، (ابن سعد)	(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) میری وابستگی کا حال لوگون کو چونکہ معلوم تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین مجھ سے پوچھا کرتے، ان پوچھنے والون مین عمر بھی ہین، اور عثمان بھی علی بھی طلحہ بھی زبیر بھی،

حدیث کی کتابون مین اس کا ایک ذخیرہ موجود ہے، جس مین خلفاے راشدین، اور دوسرے جلیل القدر اصحاب نے باہم ایک دوسرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پوچھی ہے، مردون مین اگر پتہ نہین چلتا، تو امہات المومنین کے پاس آدمی بھیجا جاتا، کہ ان کو اگر کوئی علم ہو تو بیان کرین، ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا ابھی ذکر گذرا، حالانکہ ۹ سال تک صحبتِ نبوی مین ان کو ہمہ وقتی رفاقت کا موقع ملا ہے، لیکن ایک حدیث بیان کر رہے تھے، کہ حلقہ کے لوگون مین سے کسی نے پوچھا،

انت سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم، — کیا آپ نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے،

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب مین فرمایا،

ما کل ما نحدثکم به سمعنا من رسول الله صلی الله علیه وسلم ولکن کان یحدث بعضنا بعضا، (مستدرک حاکم) — ہم تم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتین بیان کیا کرتے ہین، سب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہم نے نہین سنا ہے، بلکہ ہم مین بعضون نے بعض سے بھی سنا ہے، (یعنی ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے سنا ہے)

اور یہ بھی تھا بہت بڑا عظیم نفع حضرات صحابہ کی کثرتِ تعداد کا ہر ایک اپنی کمی دوسرے کے علم سے پوری کرتا تھا، اپنے علم کی تکمیل کے شوق ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ تابعین یا اصاغر صحابہ ہی کے زمرہ مین نہین، بلکہ خود باہم ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے اپنے علمی نقص کی تکمیل کے لئے کبھی کبھی لمبے لمبے سفر کئے ہین، اور قرآن نے جس اسوۂ حسنہ کی کامل اتباع اور پیروی کا ان سے جو مطالبہ کیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ بھی ہونا بھی چاہئے تھا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا گھر مدینہ ہی مین تھا، اور خاص طور پر حدیث کے مشہور سرمایہ دارون مین ان کا شمار ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا، خود بیان کرتے ہین، کہ

بلغنی حدیث عن رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فابتعت بعیراً — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون مین سے ایک صاحب کے واسطے سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث

فشددت علیه رحلی ثم سرت الیه شهراً حتی قدمت الشام فاذا عبد الله بن انیس الانصاری فاتیت منزله وارسلت الیه ان جابراً علی الباب فرجع الیّ الرسول فقال جابر بن عبد الله فقلت نعم فخرج الیّ واعتنقته واعتنقنی قال قلت حدیث بلغنی عنک انک سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المظالم لم اسمعه انا منه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الحدیث، (جامع بیان العلم ابن عبدالبر ص ۹۳) — پہونچی مین نے اسی وقت ایک اونٹ خریدا، اور اس پر اپنا کجاوا کس کر ایک ماہ تک چلتا رہا، یہان تک کہ شام پہنچا، اور عبداللہ بن انیس الانصاری (جن سے حدیث پہونچی تھی) ان کے گھر پہنچا، اندر آدمی بھیجا کہ دروازہ پر جابر کھڑا ہوا ہے، آدمی نے واپس ہو کر پوچھا کہ کیا جابر بن عبداللہ ہین؟ مین نے کہا ہان عبداللہ بن انیس باہر نکل پڑے، دونون ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے پھر اس نے پوچھا کہ مجھے آپ کے ذریعہ سے ایک حدیث پہونچی ہے، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "مظالم" کے متعلق آپ نے سنی ہے، اور مین نہین سن سکا ہون، عبداللہ بن انیس نے جواب مین فرمایا کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے (پھر عبداللہ نے پوری حدیث سنائی)

اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون قسطنطنیہ[1] کا ہے کہ ایک حدیث انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خود سنی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس مین کچھ شک پیدا ہوا، آپ کے ساتھ اس حدیث کے سننے کے وقت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی بھی دربار رسالت میں موجود تھے، لیکن وہ مصر مین قیام پذیر ہو گئے تھے، سن کر حیرت ہو گی کہ صرف ایک حدیث مین معمولی شک مٹانے کے لئے حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے مصر روانہ ہوتے ہین، اور حضرت عقبہ بن عامر کے پاس حاضر ہو کر فرماتے ہین،

حدثنا ما سمعتہ من رسول	مجھ سے اس حدیث کو بیان کرو، جسے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
فی ستر المسلم لم یبق	مسلمانون کی عیب پوشی کے متعلق
احد سمعہ غیری وغیرک	سُنا ہے، اب اس حدیث کے سننے
	والون مین میرے اور تمھارے سوا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سامنے اس حدیث کو دہراتے ہین، حدیث

---

[1] قسطنطنیہ مین آپکے دفن کا واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے کہا جاتا ہے کہ مسلمان قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑے تھے جس مین حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، اتفاق سے بیمار ہوئے، اور یقین ہو گیا کہ آخری وقت ہے، وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد جنازہ کو لیکر مسلمان حملہ کرین اور دشمن کی زمین مین جہانتک گھس سکتے ہون گھستے چلے جائین آخری نقطہ جہانتک تمھاری رسائی ہو اسی مین مجھے دفن کر دینا جنازہ لیکر مسلمانون نے حملہ کیا، اور غنیم کو پسپا کرتے ہوئے فصیل کی دیوار تک پہونچ گئے، وہیں قبر کھود حضرت کو دفن کر دیا گیا، محمد فاتح نے جب صدیون بعد قسطنطنیہ فتح کیا، تو خواب مین آپ نے اپنی قبر کا نشان دیا، اسی پر جامع ابی ایوب تیار ہوئی،

یہ تھی، من ستر مسلمًا علی خزیۃ سترہ اللہ یوم القیامۃ وہ سنتے ہین، اس کے بعد کیا ہوتا ہے، وہ اس سے بھی عجیب تر ہے کہ

فاتی ابو ایوب راحلتہ	حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فرکبھا وانصرف الی	اپنی سواری کے پاس آتے ہین، اور
المدینۃ وما حل رحلہ	سوار ہوتے ہین، مدینہ منورہ روانہ
(۴۲ - جامع)	ہو جاتے ہین، آپنے مصر مین اپنا کجاوہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے نام نامی سے حدیث کا ابتدائی طالبعلم بھی واقف ہے، ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، کہ "ان ابا سعید رحل فی حرف" یعنی حدیث کے ایک حرف کی تصحیح کے لئے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ کوچ کیا، دارمی مین ایک اور صحابی کے متعلق ہے،

ان رجلًا من اصحاب النبی صلی اللہ	کہ آنحضرتؐ کے صحابیون مین سے ایک صاحب
علیہ وسلم رحل الی فضالۃ بن عبد	فضالہ بن عبد اللہ کے پاس مصر روانہ
اللہ وھو بمصر فقدم علیہ وھو	ہوئے، اور وہ اپنی اونٹنی کا چارہ تیار
یمد لناقۃ لہ فقال مرحبا	کر رہے تھے، فضالہ نے صحابی کو دیکھکر
قال اما انی لم آتک زائرًا	مرحبا کہا، صحابی نے جواب مین فرمایا کہ مین
ولکن سمعت انا وانت	تمھاری ملاقات کو نہیں آیا ہون لیکن ہم نے
حدیثا من رسول اللہ صلی اللہ	اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
علیہ وسلم رجوت ان یکون	ایک حدیث سنی ہے، مین یہ امید لیکر آیا ہون
عندک منہ علم، (دارمی)	کہ تم کو اس کا کچھ علم ہو گا،

یہ تو بڑے بڑے صحابیون کا حال تھا، باقی ایسے کمسن اصحاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارک سے اتنا فائدہ نہ اٹھا سکے تھے، یا ان کے معاصر اور تلامذہ جنھین تابعین کہتے ہین، اس باب مین تو ان کے کارنامون کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے، مین نے ذکر کیا تھا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما باوجود قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے صحابہ کے دروازون پر تلاشِ حدیث مین گرد کھاتے پھرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی کثرتِ تعداد کے اس فائدے کو محسوس کر لیا تھا، کہ ان کے ذریعہ سے اپنی تاریخ کے تمام خط و خال کی تکمیل مین پوری مدد مل سکتی ہے، اس سلسلہ مین اپنے ایام طلب کے قصے بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ مین نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ

ھلم فلنسأل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانھم الیوم کثیر

چلو بھائی! ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون سے چل کر دریافت کرین، کیونکہ ابھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے

لیکن ان کے رفیق بخت کے چھوٹے تھے، بولے،

یا ابن عباس اتری الناس یحتاجون الیک وفی الناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (دارمی)

ابن عباس! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ تمھارے بھی محتاج ہون گے، حالانکہ ابھی تو لوگون مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابی موجود ہین۔

لیکن اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ یون ہی چھوٹے بڑون کے گذرنے کے بعد بڑے بنتے ہین، بعد کو اپنے علمی سلسلہ کی بدولت جب ابن عباس حبرِ امام بن گئے، تو وہ بیچارے پچتاتے تھے، اور کہتے تھے کان ھذا الفتی اعقل منی (یہ نوجوان مجھ سے زیادہ دانشمند تھا)

تابعین مین سعید بن المسیب مسروق وغیرہ جن کے حالات آگے آرہے ہین، ان کے بیانون مین اس قسم کے واقعات بہ کثرت ملتے ہین، حضرت سعید بن المسیب سے امام مالک راوی ہین

انی کنت لاسیر اللیالی والایام فی طلب الحدیث (جامع)

حدیث کی تلاش مین مین کئی کئی دن اور کئی کئی راتین مسلسل چلتا رہا ہون

حضرت مسروق کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رحل فی حرف (یعنی صرف ایک لفظ کے لئے کوچ کیا) ان تابعیون کی نزاکتِ ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ بسا اوقات کوئی حدیث ان کو ایسے آدمی سے پہونچتی جو شرفِ صحبت سے فیض یاب نہ ہوتے، حالانکہ اس حدیث کا علم ان کو حاصل ہو چکا ہوتا لیکن اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ جس صحابی سے یہ روایت بیان کیجاتی ہے، وہ زندہ ہین، تو خواہ وہ کسی مقام پر ہوتے، ان تک پہونچ کر کوشش کرتے، کہ براہِ راست بھی اس روایت کو صحابی سے خود سُن لین، دارمی نے ابو العالیہ سے یہ روایت درج کی ہے،

کنا نسمع الروایۃ بالبصرۃ عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم نرض حتی رکبنا الی المدینۃ فسمعناھا من افواھھم (دارمی)

ہم لوگ بصرہ میں ایک روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون سے سُنے ہوئے سے سُنتے، مگر ہم صرف اسی پر قناعت نہیں کر لیتے تھے جب تک سوار ہو کر مدینہ پہونچ کر خود ان صحابیون کی زبانی بھی اس روایت کو نہ سُن لیتے،

یہ کسی خاص شخص کا حال نہیں ہے، بلکہ عام تابعین کے طرزِ عمل کا بیان ہے،

طلب حدیث کے لئے رحلت کا ایسا عام مذاق پھیل گیا تھا کہ بطور امور عامہ کے بعض
بعض تابعین کی زبان پر یہ لطیفہ جاری ہو گیا یعنی شاگردون سے حدیث بیان کرتے اور آخر مین
انھین مخاطب کر کے بطور طیبت کے فرماتے،

خذها بغیر شیئ قد کان	بغیر کسی معاوضہ کے (مفت) یہ
الرجل یرحل فیما دونها	حدیث لے لو، ورنہ حال یہ تھا کہ
الی المدینة،	اس سے بھی کم چیز کے لئے لوگ
(ابن سعد)	مدینہ تک سفر کرتے تھے،

یہ حضرت شعبی کا قول ہے جو کوفہ مین اپنے طلبہ سے مزاحاً کبھی کبھی کہا کرتے تھے،

مذکورۂ بالا عوامل و موثرات سچ پوچھئے تو بجائے خود ان مین ہر ایک حدیث یعنی تاریخ
کے اس عجیب و غریب سرمایہ کی حفاظت کی کافی ضمانت ہے، لیکن جہان یہ سارے اسباب
اکٹھے ہو گئے ہون، اور اب اسی کے ساتھ آپ اس عام تاریخی دعوی کو بھی اپنے سامنے
رکھ لیجئے، کہ

مذهب العرب انهم کانوا	عرب کا عام طریقہ تھا کہ زبانی یاد
مطبوعین علی الحفظ مخصوصین	رکھنے کی کچھ ان کی فطری عادت
بذلك،	سی تھی، اس بات مین ان کو خاص
(جامع)	خصوصیت حاصل تھی،

عرب کا بدو کتابون کے طومار کو دیکھ کر مذاق اڑاتا تھا، بدوون کا یہ عام چلتا ہوا فقرہ
تھا حرف فی تامورك خیر من عشرة فی کتبك (دل مین ایک حرف کا محفوظ رہنا،
کتابون کی دس باتون سے بہتر ہے)

عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے، ؎

لیس بعلم ما حوی القمطر	ما العلم الا ما حوی الصدر
علم وہ نہین ہے جو کتابون مین درج ہے	نہین ہو علم لیکن صرف ہی جو سینہ مین محفوظ ہو

دوسرا کہتا ہے:- ؎

استودع العلم قرطاسا فضیعه	وبئس مستودع العلم القراطیس
جس نے علم کو کاغذ کے سپرد کیا اوس نے اسکو ضائع کیا	علم کے بدترین مدفن کاغذ ہین

تیسرے کا شعر ہے،

علمی معی حیث ما یممت احمله	بطنی وعاءله لا بطن صندوق
میرا علم میرے ساتھ ہے جہان جاتا ہون اسے اٹھائے ہوئے جاتا ہون	میرے اندر اس علم کا برتن ہے نہ کہ شکم صندوق
ان کنت فی البیت کان العلم فیه معی	اذا کنت فی السوق کان العلم فی السوق
اگر گھر مین رہتا ہون تو علم میرے ساتھ رہتا ہے	جب بازار مین ہوتا ہون تو میرا علم بھی بازار مین ہوتا ہے

کم از کم ان اشعار سے اس قوم کے خاص رجحان کا پتہ چلتا ہے، لکھنے اور کتابت کے متعلق
شاید ہی کسی زبان مین اس قسم کے اشعار مل سکتے ہین، سوسائٹی کے اس خاص مذاق کا یہ نتیجہ تھا کہ
قدرتی طور پر ان کو اپنے حافظہ پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا، قاعدہ ہے، کہ انسان اپنی جس قوت کو زیادہ
استعمال کرتا ہے اسی مین جلا پیدا ہو جاتی ہے مختلف اقوام کی مختلف چیزون کے ساتھ خاص مناسبت
کی یہی وجہ ہے، اسی لئے یہ مسلّم ہے کہ ان العرب قد خصت بالحفظ (عرب حافظہ کی قوت
مین خصوصیت رکھتے تھے) ان کے حافظہ کی قوت کے جو واقعات کتابون مین درج ہین، کتابی
قومون کے لئے حقیقت یہ ہے کہ ان کا باور کرنا دشوار ہے، حافظ عمر بن عبد البر لکھتے ہین،

کان احدهم یحفظ اشعار	ان مین بعض لوگ صرف ایک دفعہ سنکر

بعض فی سمعۃ واحدۃ، لوگون کے اشعار یاد کر لیا کرتے تھے،

ابن عباسؓ کے متعلق مشہور ہو کہ ان کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا، اور ستر شعر کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا، شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق کچھ گفتگو چلی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یون پڑھا تھا، جو مخاطب تھا، اس نے پوچھا کہ تم کو پہلی دفعہ مین کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا، بولے کہو تو پورے ستر شعر سنا دون اور سنا دیا حدیث کے مشہور راوی امام زہری کا بیان لوگ نقل کرتے ہین، کہ

انی لاحرُّ بالبقیع فاسد آذانی مخافۃ ان یدخل فیھا شیٔ من الخنا فواللہ مادخل اذنی شیٔ قط فنسیتہ، (ابن عبد البر)

مین "بقیع" کی طرف گذرتا ہون اور اپنے کانوں کو بند کر لیتا ہون اس اندیشہ سے کہ اس مین کوئی بُری خراب بات نہ داخل ہو جائے، کیونکہ قسم خدا کی میرے کان مین کوئی بات ابتک ایسی داخل نہین ہوئی ہے، جسے مین بھول گیا ہون،

شعبی بھی یہی کہتے تھے:-

ماکتبت سوداء فی بیضاء وما استعدت حدیثا من النسیان، (ابن سعد)

مین نے کبھی سیاہی سے سفیدی پر کچھ نہیں لکھا، اور نہ کسی شخص کی گفتگو مین نے کبھی بھولنے کے باعث دہرائی۔

غیرون پر تو حجت نہین ہو سکتی، لیکن علمائے اسلام کا خیال ہے کہ علاوہ اس کے کہ عرب کا حافظہ کچھ قدرتی طور پر غیر معمولی تھا، یہ بھی سمجھا جاتا ہے، کہ قرآن مجید کے متعلق جس نے

"انا لہ لحافظون" کا اعلان کیا تھا، اسی قوت نے قرآن کی عملی شکل یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حفاظت جن کے سپرد کی تھی، ان کے حافظون کو غیبی تائیدون کے ذریعہ سے بھی کچھ غیر معمولی طور پر قوی ترکر دیا تھا، اور یہ تو بخاری مین ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربارِ رسالت مین نسیان کی جب شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص توجہ اور دعا کے ذریعہ سے ان کے حافظہ کو ایسا بنا دیا تھا، کہ پھر وہ کوئی چیز بھول نہین سکتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت تمام صحاح کی کتابون مین مروی ہے، تقریباً شہرت کی انتہائی درجہ پر پہونچی ہوئی ہے،

(باقی)

سیرۃ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ

۱۱۱۵ھ - ۱۲۰۶ھ

از

مولانا مسعود عالم ندوی کیٹلاگرا ونٹیل لائبریری، پٹنہ

۳۵ء کے آغاز کا ذکر ہے، کہ دارالعلوم ندوۃ العلما، لکھنؤ مین دو دوستون نے ارادہ کیا، کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی اور مولینا اسمٰعیل شہید (رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین المجاہدین من عبادہ) کی چلائی ہوئی تحریک تجدید و امامت کی مکمل تاریخ مرتب کیجائے، کافی بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ ایک ساتھی حضرت سید صاحبؒ کی سیرت مرتب کرے، اور دوسرا اپنا سفر واقعہ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) سے شروع کرے، اور جہان تک بن پڑے، نشانِ راہ کا پتہ لگاتا چلاجائے،

دونون نے اپنا اپنا کام شروع کیا، ان مین جو صاحبِ دل اور سراپا اخلاص و جہاد تھا، اوس نے سیرت احمد شہید مرتب کرلی، میرا اشارہ اپنے مخلص دوست مولانا ابوالحسن سید علی حسنی ندوی (استاذ تفسیر و ادب، دارالعلوم ندوۃ العلمار) اور ان کی تصنیف سیرۃ سید احمد شہید کی طرف ہے، جو دو سال ہوئے، اہلِ ذوق کے ہاتھون مین پہونچ چکی ہے، اور اب اوس کا دوسرا اڈیشن زیر ترتیب ہے،

دوسرے (یعنی راقم) نے بھی اپنا کام تیزی کے ساتھ شروع کیا، لیکن قدم قدم پر کانٹے پیش آئین، نشانِ راہ دھندلا ہوچکا تھا، جاننے والے اور دیکھنے والے ابدی نیند سو چکے تھے، سننے والے ڈر کے مارے لب کشائی کی جرأت نہیں کرتے...... لیکن قلم کا مسافر اپنی منزلِ مقصود کو نہیں بھولا، تلاش و جستجو کا پہلا نمونہ مرحوم "الضیا" کے آخری نمبر (شعبان ۱۳۵۴ھ، نومبر، دسمبر ۳۵ء) میں شائع ہوا، پھر مزید تلاش اور چھان بین کے بعد "وہابیت ایک دینی وسیاسی تحریک" کے عنوان سے "الہلال" پٹنہ کے نو نمبرون (اپریل و مئی ۳۶ء) مین شائع ہوا، اور مخصوص حلقوں میں بہت مقبول ہوا، [1]

بزرگون کی حوصلہ افزائی اور دوستون کے اصرار سے ہمت بڑھی، اور اللہ کے فضل سے پوری جماعت کی مکمل تاریخ کا مواد فراہم ہوگیا، اور سلسلہ اب تک جاری ہے، جو کچھ مواد فراہم ہوچکا ہے، وہ ایک ضخیم اور جامع کتاب کی ترتیب کے لئے کافی ہے،

دورانِ بحث و تمحیص مین نجد کی وہابی تحریک (جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے) کا ذکر بار بار ملا، اور ایسی غلط بیانیان نظر سے گذرین کہ یارائے ضبط نہ رہا، سب سے بڑی غلط فہمی جس میں دوست اور دشمن دونوں مبتلا ہین، یہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک وہابیت یعنی حضرت سید صاحبؒ کی تحریک تجدید و امامت نجد کی وہابی تحریک ہی کی ایک شاخ ہے، اس میں شک نہیں، کہ دونون تحریکون کا ماخذ ایک، مقصد ایک اور دونون کے چلانے والے یکسان سرگرم اور مجاہد تھے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر بالکل اٹل ہے، کہ ایک کا دوسرے سے دور کا بھی تعلق نہیں، یعنی ایک نے دوسرے کی تعلیمات سے بالکل فائدہ نہیں اٹھایا، سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب زمین پیاسی ہوتی ہے، تو بارانِ رحمت

---

[1] کتنے باذوق ایسے بھی دیکھے جنھون نے اصل اخبار کی کاپیان نہ ملنے پر پورے مضمون کی نقل کرائی،

کا نزول ہوتا ہے، جب اندھیاری حد سے بڑھ جاتی ہے، تو سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے، بارہوین صدی ہجری کے آغاز مین مسلمانون کا تنزل اپنی آخری حد کو پہونچ چکا تھا، اللہ نے اپنے مختلف برگزیدہ بندوں کو مختلف علاقوں مین تجدید وامامت کے منصب پر مامور کیا، ان غیر معمولی افراد مین جنھین ہم مجدد بھی کہہ سکتے ہین، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (۱۱۱۵ھ ۱۷۰۳ء - ۱۲۰۶ھ ۱۷۹۲ء) حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء - ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) شیخ محمد بن علی السنوسی (۱۲۱۴-۵ھ ۱۸۰۰ء - ۱۲۷۵-۶ھ ۱۸۵۹ء) اور امیر عبدالقادر جزائری (۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء - ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۳ء) خاص درجہ رکھتے ہین،

ہم نے ابھی کہا کہ نجد کی تحریک دعوت وتجدید کے متعلق ایسی غلط بیانیان نظر سے گذرین، کہ یارائے ضبط نہ رہا، اور اسی بے اختیاری مین عاجز نے زیر ترتیب کتاب کے دو حصے کر دئے، پہلا حصہ نجد اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت سے متعلق تکمیل کے قریب ہے، اس کا پہلا باب آج کی صحبت مین نذرِ ناظرین ہے، کتاب کا اصلی حصہ وہ ہوگا، جہان شیخ الاسلام کی دعوت پر گفتگو ہوگی، اور افترا پردازیون کے مکروہ چہرہ سے پردہ اٹھایا جائے گا، امید کہ یہ جراٗت معاف کیجائیگی،

تمہید ذرا لمبی ہو گئی، لیکن اس تحریر کے "پس منظر" کے طور پر یہ سرگذشت بھی قلمبند کرنا ضروری تھی، اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ عمل مین اخلاص دے، اور اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے،

"مسعود عالم"

جزیرۃ العرب مسلمانون کے دور عروج مین

عرب کے ریگستانون نے گو لیل ونہار کے ہزارون تماشے دیکھے ہین مگر شاید اس تماشے سے بڑھکر کوئی تماشا نہ ہوگا کہ تاریک ذرون نے ایک چمکتے سورج (وجود نبوی) کے پرتو سے روشن ہو کر ساری دنیا کی

آنکھون کو اپنی چمک دمک سے روشن کر دیا، اور خود ان کے گوشہ گوشہ کو مطلع انوار بنا دیا، اور عین اس وقت جب وہ دشت وجبل اور بحر وبر کو منور کر چکے خود ایسے ماند پڑ گئے، کہ دنیا کی نگاہون سے اوجھل ہو گئے، یہ کیون؟ اس لئے کہ ان قومون نے جو اس نور سے منور ہوئین یہ سمجھا کہ ان ریگستانی ذرون کی تابانی کے مقابلہ مین ان کی چمک اور تابانی نگاہون کو خیرہ نہ بنا سکین گی، اس لئے ان کا تاریک اور ماند ہی رہنا اچھا ہے۔

(سید سلیمان ندوی: معارف، نومبر ۲۴ء)

یون تو بنو امیہ کے دور حکومت ہی مین حجاز کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی، دمشق کے شاطرون نے حرمین کو پیرزادون کی خانقاہ بنا دی، اور پھر ابو مسلم خراسانی کی تلوار نے تو عربون کی سیاسی قسمت ہی کا فیصلہ کر دیا، (۱۳۲ھ) اور جو عباسی سلطنت اس کے بل بوتے پر قائم ہوئی، رفتہ رفتہ عجمی شہنشاہی بن گئی، معتصم (۲۱۸ھ ۸۳۳ء - ۲۲۷ھ ۸۴۲ء) کے دور مین ترکون نے زور پکڑا، اور پھر تخت وتاج نے ان کے قدم لئے، نزدیک اور دور بیسیون سلطنتین بنین اور بگڑین، پر غریب عرب کا اس تگ وتاز مین کوئی حصہ نہ تھا،

مسلمانون کے عروج کی ان صدیون مین بغداد اور قرطبہ کی علمی درسگاہین قائم ہوئین، ازہر (مصر) زیتونہ (تونس) اور قیروین (فاس) کی مسجدون سے علم وعمل کے چشمے جاری ہوئے، ترکون نے قسطنطنیہ فتح کیا، سلیمان اعظم (۹۲۶ھ ۱۵۲۰ء - ۹۷۴ھ ۱۵۶۶ء) نے ویانا کی دیوار ہلا دی، مغلون نے ہندوستان کو زیر وزبر کیا، ...... لیکن عرب کا شتربان اپنے صحرا مین آرام کی نیند سوتا رہا، عثمانی ترکون نے حجاز پر صدیون حکمرانی کی، لاکھون کروڑون کے چڑھاوے دئے، مصر کے خراج کا بیشتر حصہ حرمین کی خدمت کے لئے وقف رہا، مجاورون اور متولیون کے لئے بیش قرار وظیفے

مقرر کیئے ...... پر عرب کی "وادی غیر ذی زرع" مین کہین علم کا چشمہ جاری نہ ہوا، دفتروں کی زبان ترکی رہی، اللہ اکبر!! خلیفۃ المسلمین کی حکومت اور مہبطِ وحی مین غیر قرآنی زبان کا چلن!

عبرت کا مقام ہے! اس ذلیل دنیا اور بادشاہی نے کیا کیا نہین کرایا ہے،؟ ہان سرکاری زبان ترکی رہی، افسر ترکی رہے، رہے عرب تو مزارون کی مجاوری اور گداگری، یا پھر ایام جاہلیت کے نمونہ پر لوٹ گھسوٹ ان کا کام رہ گیا تھا،

محمد بن عبد الوہابؒ بالآخر جب دنیا پھر تاریکی مین مبتلا ہو گئی، مسلمان کتاب و سنت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے، ایک اللہ کی جگہ سیکڑون معبود بنا لئے گئے، مصر میں بدوی و رفاعی، عراق و ہند مین عبد القادر جیلی، مکہ و طائف مین ابن عباسؓ، یمن مین ابن علوان سے مرادین مانگی جانے لگین[1] اور مسلمان ہر شجر و حجر کے آگے جھکنے لگے۔ جب یہ حالت ہو گئی، تو پھر اسی بے آب و گیاہ سرزمین پر پہلے پہل تذکیر و ہدایت کا آفتاب ضوفگن ہوا، اور خاکِ عرب کے وہ ذرے جو جہل و شرک کی طغیانی کے باعث ماند پڑ گئے تھے، پھر چمک اٹھے، اور نجد کے چمنستان سے جو اپنے عرار و خزامی[2] کی عطر بیزی کے لئے مشہور ہے، توحید و کلمۂ حق کی ایسی خوشبو پھیلی جس نے تمام عالم کو زعفران زار بنا کر چھوڑا، میری مراد شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب (رحمہ اللہ و نوّر ضریحہ) کی ذاتِ گرامی سے ہے، جنھون نے اپنی مسلسل اور انتھک کوششون سے توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، اور جہانتک اس مردِ مجاہد کی آواز پہونچ سکتی تھی، اوس نے حق و صداقت کا پیغام پہنچایا،

---

[1] تطہیر الاعتقاد عن ادران الالحاد لمحمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی ص ۲۵۔ [2] نجد کے عرار، خزامی، رند کا ذکر کلامِ عرب میں بکثرت آتا ہے، محمود شکری آلوسی (م ۱۳۴۲ھ) نے اپنی تاریخ نجد (قاہرہ ۱۳۴۳ھ) میں اس سلسلہ کی منظومات کافی نقل کی ہین، (ص ۱۹)

ابن عبد الوہابؒ کی پیدائش کے وقت دنیاے اسلام کی حالت یون تو اسلامی دنیا کا فکری زوال اٹھوین صدی ہجری کے اختتام پر اپنی آخری حد کو پہنچ چکا تھا، اجتہاد و نظر کے دروازے عرصہ ہوا بند ہو چکے تھے، متاخرین کے متون و حواشی اور منہیات علماء کے زیرِ درس تھیں، عملی حالت اس سے بھی زیادہ گری ہوئی تھی، لیکن بارہوین صدی ہجری کے آغاز مین یہ انحطاط اس حد کو پہونچ چکا تھا، کہ غیر مسلم بھی عہدِ صحابہ کے حالات سے اس دور کے مسلمانون کا موازنہ کرتے، تو انھیں تعجب و افسوس ہوتا، امریکی اہل قلم استاڈرڈ (جدید دنیاے اسلام[1]: عربی ترجمہ حاضر العالم الاسلامی ص ۲۵۹، جلد ۱) کے بیان کے مطابق:

"مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی مین تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، مسجدین ویران اور سنسان پڑی تھین، عوام جہال ان سے بھاگتے تھے، اور تعویذ گنڈے اور مالا مین پھنس کر گندے فقرا اور دیوانے درویشون سے اعتقاد رکھتے، اور بزرگون کے مزارات پر زیارت کو جاتے جن کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جاہلون کا خیال تھا کہ خدا کی برتری کے باعث وہ اسکی طاعت بلا واسطہ نہیں ادا کر سکتے، قرآن کریم کی تعلیم نہ صرف پسِ پشت ڈال دی گئی تھی، بلکہ اسکی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، .... یہان تک کہ مقاماتِ مقدسہ (مکہ و مدینہ) بداعمالیون کے مرکز بن گئے تھے، اور حج جسکو رسول اللہ نے فرائض مین داخل کیا تھا، بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا، فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی، ...... اگر محمد (ص) پھر دنیا مین آتے، تو وہ اپنے پیروون کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے،

---

[1] The new world of Islam

ایک غیر مسلم مبصر کے اس تیار کردہ خاکہ مین مسلمانون کے جو خط و خال نظر آتے ہین وہ آج بھی بڑی حد تک صحیح ہین یا نہین؟ امیر شکیب کی رائے مین بڑے سے بڑا دقیق النظر عالم بھی بارہوین صدی کے مسلمانون کی اس سے زیادہ صحیح اور واضح تصویر نہین کھینچ سکتا تھا،

طولِ کلام اگر بار نہ ہو، تو اپنی بدنصیبی کی مزید داستان ایک دوسرے مغربی مبصر کی زبانی بھی سُن لیجئے:

اٹھارھوین صدی میں مسلمانون کا جوش ہر جگہ سرد تھا، برائے نام خلیفہ کی ساکھ گرچکی تھی، اور مقبوضہ کے جنوب مین اطاعت تسلیم بھی نہیں کی جاتی تھی، مین ایک صدی پہلے یہ جُوا اپنے گردن سے اتار چکا تھا، مکہ کے اشراف عیسائیون کی نسبت اپنے سردار کے مقابلہ مین زیادہ سرگرمی دکھانے کو تیار تھے، یہ کیجہتی جو آج دکھائی دیتی ہے، اُس وقت اس کا احساس بہت کم تھا، اور روحانی مرکز مکہ مادی عیش و آرام کا شکار ہو چکا تھا، اور تقوی و زہد کے علاوہ وہاں ہر چیز کے لئے رواداری موجود تھی، حالانکہ ہندوستان مین عیسائیوں کی فتح اور قبضہ نگاہون کے سامنے تھا، اور یورپ مین بھی غیر مسلم طاقتیں ترکون کا پانسہ پلٹ رہی تھیں، لیکن عرب مین ان واقعات کا بہت کم احساس تھا، اور یہ عام غیض و غضب جس کا مظاہرہ آج فرانس، برطانیہ اور روس کے خلاف کیا جارہا ہے، اس وقت بالکل مفقود تھا، جہان غصہ نہین وہان جوش نہین، چہ جائیکہ تبلیغی کوششین ہون، (خلاصہ یہ کہ) اس وقت اسلام کا رُخ تنزل کی طرف تھا، اور یہ تجدد جس کی لہر انیسوین صدی عیسوی مین افریقہ اور چین تک پہونچکر رہی، اس وقت اسکی پیش بینی نہین کیجا سکتی تھی،[۲]

---

[۱] حاضر العالم الاسلامی جلد ۱ ص ۲۶۰ (حاشیہ) ۱۹۱۴ء میں یہ کتاب تالیف ہوئی،

[۲] Hogarth: Penetration of Arabia (ص ۴۰)

نجد ابن عبدالوہاب سے پہلے

بارہوین صدی ہجری کے آغاز مین اسلامی دنیا اور مقامات مقدسہ کا جو حال تھا، اس کا ہلکا سا اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوا ہوگا، لیکن جزیرۃ العرب کے قلب (نجد) کی حالت اور بھی خراب تھی، کم سے کم جو کہا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ اہل نجد اخلاقی انحطاط مین حد سے گذر چکے تھے، اور ان کی سوسائٹی مین بھلائی، برائی کا کوئی معیار نہیں قائم رہا تھا، مشرکانہ عقائد صدیون کے تسلسل سے اس طرح دلوں مین گھر کر چکے تھے، کہ ایک بڑا طبقہ انہی خرافات کو دین صحیح کا نمونہ جانتا تھا، اور غلط یا صحیح وہ اپنے آبا و اجداد کی روش سے ہٹنے کے لئے تیار نہین تھے جبیلہ (وادی حنیفہ) میں زید بن خطاب رضؓ کی قبر کی پرستش ہوتی تھی، درعیہ مین بھی بعض صحابہ کے نام سے منسوب قبرین اور قبے عوام کی جاہلانہ عقیدت کے مرکز بنے ہوئے تھے، وادی غبیرہ مین ضرار بن ازور رضؓ کا قبہ بدعتون کی نمایش گاہ ہو رہا تھا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ بلیدۃ الفدا مین ایک پرانے درخت کے ساتھ جوان مرد اور عورتین جو سلوک کرتی تھین، ان کے بیان سے زبانِ قلم قاصر ہے، خلاصہ یہ کہ مایوس عورتین اولاد کی تمنا مین اس درخت سے ہمکنار ہوتین، نیز درعیہ کے پاس ایک غار تھا، جہان حد درجہ شرمناک برائیان ہوتی تھین،[۱]

---

[۱] نجد کی بدعات کا ذکر تمام تاریخون مین آتا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:-

(الف) روضۃ الافکار والافہام لمرتاد حال الامام وتعداد غزوات ذوی الاسلام تالیف شیخ حسین ابن غنام (شاگرد و معاصر شیخ الاسلام م ۱۲۲۵ھ) (ص ۶-۱۶)

(ب) عنوان المجد فی تاریخ نجد ص ۶ تالیف عثمان بن بشر النجدی (م ۱۲۸۸ھ) یہ دو کتابین تاریخ نجد پر ام اور اصل کا حکم رکھتی ہین، تفصیلی گفتگو مآخذ کے باب مین آئے گی)

(ج) الہدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیۃ، مرتبہ سلیمان بن سحمان (ص ۹-۴۰) نیز تبرئۃ الشیخین الامامین (سلیمان بن سحمان ص ۱۶۳ - ص ۱۶۱،

یہ سب کچھ دین اور مذہب کے نام پر ہوتا تھا، اور جو دو چار فقہ وحدیث سے بہرہ ور تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہمت نہیں پاتے تھے، آخر علماے نجد دنیا کے علما سے الگ تو تھے نہیں!!

سیاسی حالت اور خراب تھی، خانہ جنگی اور بدحالی عام تھی، شمالی نجد (جبل شمر) میں قبیلہ طے اور حسا میں بنو خالد کا زور تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیینہ کی امارت حسا کے بنو خالد کا اقتدار مانتی تھی، اسکی تفصیل آگے آتی ہے، درعیہ میں قبیلہ عنزہ کے قدم جم رہے تھے، درعیہ سے قریب منفوحہ میں دواس کی الگ امارت قائم ہوگئی تھی نجد کا چھوٹا سا علاقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، (فلبی ص ۶-۷)

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۷) (د) Arabia از فلبی (دی ماڈرن ورلڈ سیریز ۱۹۳۰ء ص ۴-۵) فلبی اور ان سحمان کا ماخذ بھی ابن غنام ہی کی کتاب ہے،

[1] عرب کے مختلف حصوں اور خاصکر نجد کا جغرافیہ ذرا مشکل سے سمجھ میں آتا ہے، ہمارے ہاں جیسی صوبہ اور ضلع وار مرتب تقسیم ان کے ہاں نہیں ہے اور نہ موجودہ دور سے پہلے ملک میں کوئی قابلِ ذکر سیاسی وحدت تھی، مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ نجد کے تین بڑے بڑے حصے ہیں :-

(۱) شمالی مغربی حصہ جس کا نام شمر ہے، اس کے مشہور شہر حائل اور القصر ہیں،

(۲) شمالی مشرقی حصہ جس کا نام القصیم ہے، اس کے مشہور مقامات عنیزہ اور بریدہ ہیں،

(۳) جنوبی حصہ جو العارض کہلاتا ہے، اس کا مشہور شہر ریاض ہے، جو آج سعودی حکومت کا پایہ تخت ہے، عارض کو جبل یمامہ بھی کہتے ہیں، اصل میں یہ ایک پہاڑی کا نام ہے، اور اس کے گرد و نواح کی زمین وادی حنیفہ اور یمامہ کہلاتی ہے، شیخ الاسلام کی جاے پیدائش عیینہ اور دعوت کا مرکز درعیہ دونوں اسی وادی میں واقع ہیں، جو نجد کے قلب کی حیثیت رکھتے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:-

خاندان اس پرآشوب دور اور ناموافق ماحول میں محمد بن عبدالوہاب نے آنکھیں کھولیں، عیینہ[1] کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے[2]، (۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء) ان کے جد امجد سلیمان علی بن مشرف (م ۱۰۷۹ھ) اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور علماے نجد کے مرجع وماویٰ تھے، مناسک میں ان کی کتاب مشہور ہے، اور السحب الوابلہ (ص ۱۰۳) کے بیان کے مطابق مناسک کے باب میں عام طور پر حنابلہ اسی پر اعتماد کرتے ہیں، (دیکھو: عنوان ص ۲ ج ۱) انکے چچا ابراہیم بن سلیمان بھی ممتاز عالم تھے، ابراہیم کے بیٹے عبدالرحمن (م ۱۲۰۶ھ) بھی فقیہ و ادیب تھے (عنوان ص ۹) شیخ کے والد عبدالوہاب

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۵) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: لفظ Arabia جلد ا ص ۳۷۱) اور Nejd (جلد ۳ ص ۶-۸۹۳) تاریخ نجد (اسلم) ص ۶-۹، اور "عرب کی موجودہ حکومتیں" (شاہ معین الدین ندوی) ص ۷ میں بھی نجد کا مختصر جغرافیہ دیا گیا ہے،

[1] فلبی کی قابلِ قدر کتاب Arabia میں عام طور پر مقامات کا تلفظ صحیح ہے لیکن عیینہ کو وہ Ayaina لکھتا ہے، جو صحیح نہیں، بلکہ Uyainah ہونا چاہئے، عام طور پر یورپین مصنف Ayenah یا Ayaina لکھتے ہیں، (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۴ ص ۱۰۸۶: ڈکشنری آف اسلام ص ۶۵۹) حالانکہ دونوں غلط ہیں، عیینہ (بضم عین) عین (چشمہ) کی تصغیر ہے، پہلے اس مقام پر کوئی چشمہ تھا، اب اسے شیخ الاسلام کی نسبت سے بلد الشیخ بھی کہتے ہیں [2] شیخ کی ولادت ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں ہوئی، اس میں کوئی شک نہیں (ابن غنام: ج ۱ ص ۳۰: عنوان المجد جلد ا ص ۱۳۵): بعد کے لکھنے والوں میں احمد بن زینی دحلان (الدرر السنیۃ ص ۴۲: خلاصۃ الکلام ص ۲۲۹) نے ۱۱۱۱ھ اور امیر شکیب (حاضر جلد ۴ ص ۶۱) نے ۱۱۱۶ھ ہجری تاریخ ولادت بتائی ہے، جو غلط ہے، اسی طرح Hughes (ڈکشنری آف اسلام ص ۶۵۹) ولفرڈ بلنٹ (اے پلگریمج ٹو نجد (ضمیمہ) ص ۲۵۱) زویمر Arabia (The Cradle of Islam) وغیرہم نے تاریخ ولادت ۱۶۹۱ء لکھی ہے، جو یکسر غلط ہے، ہوگرث (ص ۴۳) نے بھی سال ولادت غلط (۱۶۹۶ء) دیا ہے، بروکلمن (ذیل: ۲: ۵۳۰) نے جاے ولادت حوطہ بتائی

ابن سلیمان (م ۱۱۵۳ھ) بھی فقہ میں دخل رکھتے تھے، اور ایک عرصہ تک عُیَینہ اور حریملا میں عہدۂ قضا پر مامور رہے، (دیکھو السحب الوابلہ علی ضرائح الحنابلہ (مخطوطہ ص ۱۰۲-۱۰۱) سلیمان بن عبدالوہاب (م ۱۲۰۸ھ) اور ان کے فرزند عبدالعزیز (م ۱۲۶۳ھ) بھی ممتاز علمی حیثیت کے مالک تھے، ۱۲۳۶ھ میں مصری غارتگری کے وقت وہ حریملا میں موجود تھے، محبوس کئے گئے، اور طرح طرح کی سختیوں سے دوچار ہوئے، ان کا کتاب خانہ نذر آتش کیا گیا، اور مال و اسباب لوٹ لیا گیا، (عنوان جلد ا ص ۲۳۶)

نشو و نما

محمد بن عبدالوہاب آغازِ طفولیت ہی سے ذہانت اور قوتِ حافظہ میں ممتاز تھے، دس برس کی عمر سے پہلے قرآن مجید کے حفظ سے فارغ ہو گئے، اپنے والد سے فقہ حنبلی کی کتابیں پڑھیں، اور بچپن ہی میں حدیث و تفسیر کی کتابیں کثرت سے مطالعہ کیں، ان کے والد عبدالوہاب ہونہار لڑکے کی ذہانت اور استعداد سے متعجب ہوتے، ان کا بیان ہے کہ محمد کی تدریس کے دوران میں وہ خود بھی اپنے ہونہار بچے کی ذہانت اور وسعتِ معلومات سے مستفید ہوئے، شیخ عبدالوہاب اپنے بیٹے کے علم سے اس قدر متاثر تھے، کہ نو عمری کے باوجود انھیں امامت

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۹) سے (الف) شیخ کا پورا نسب نامہ یہ ہے،:-

محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن مشرف الخ

(ب) السحب الوابلہ علی ضرائح الحنابلہ (مخطوطہ مشرقی کتابخانہ پٹنہ) میں اس خاندان کے مندرجہ ذیل افراد کے حالات ملتے ہیں،

۱- سلیمان بن علی بن مشرف (ص ۱۰۳)

۲- ابراہیم بن سلیمان بن علی (ص ۹)

۳- عبدالوہاب بن سلیمان بن علی، سلیمان بن عبدالوہاب؛ عبدالعزیز بن سلیمان (م ۱۲۶۳ھ) (ص ۱۰۲-۱۰۱)

۴- عبدالوہاب بن عبداللہ بن عبدالوہاب بن مشرف (م ۱۱۲۵ھ) ص ۱۶۲

کے لئے آگے بڑھاتے، کم سنی ہی میں شادی ہوئی، اور فریضۂ حج سے مشرف ہوئے، مدینہ منورہ میں دو ماہ قیام کے بعد عُیَینہ واپس ہوئے، اور اپنے والد ماجد سے تحصیلِ علم میں مصروف ہو گئے، یادداشتیں اور علمی کتابیں نقل کرتے، اتنی محویت ہوتی کہ ایک ایک نشست میں بیس بیس صفحے لکھ جاتے، (ابن غنام ص ۳۰)

علم کی راہ میں

ابن عبدالوہاب قدرت کی طرف سے غیر معمولی حساس دل لیکر آئے تھے، اپنے ارد گرد نجد کے شہروں اور بستیوں کی حالت دیکھ دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوتے، عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا، خود اہل علم کی حالت ناگفتہ بہ تھی، محمد اپنے والد عبدالوہاب سے جو نجد کے علماء میں ممتاز تھے جو کچھ حاصل کر سکتے تھے، اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن ہونے والے مصلح اور مجدد کی پیاس دو چلو پانی سے کس طرح بجھ سکتی تھی، ؟ حج سے مشرف ہو چکے تھے، حجاز کی مرکزیت دل میں گھر کر چکی تھی، طلبِ علم کا خیال آتے ہی حجاز کا ارادہ ہوا، پر جوش نوجوان کی عمر کوئی بیس برس کی ہو گی، کہ لیلائے علم کے شوق میں اس نے دشت نوردی کی ٹھانی، اور حجاز کا رخ کیا، (۱۱۳۵ھ تقریباً)

دوبارہ حجِ بیت اللہ اور مسجد نبوی کی زیارت سے مشرف ہو کر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تحصیلِ علم میں منہمک ہو گئے، خاص طور پر نجد کے مقام مجمعہ کے ایک مشہور عالم عبداللہ ابن ابراہیم بن سیف (جو جوارِ رسول میں جا کر بس گئے تھے) کی صحبت سے مستفیض ہوئے، شیخ عبداللہ بن ابراہیم نجدی (مدنی)[1] کی جلالتِ قدر اور اخلاص کا اندازہ اس روایت

[1] عبداللہ بن ابراہیم بن سیف اپنے وقت کے مشہور فقیہ تھے، شام جا کر مشہور حنبلی عالم شیخ ابو المواہب حنبلی (م ۱۱۲۶ھ) سے استفادہ کیا، ان کے بیٹے ابراہیم بن عبداللہ بن ابراہیم (م ۱۱۸۵ھ) بھی مشہور عالم تھے، انکی کتاب العذب الفائض فی شرح الفیۃ الفرائض مشہور ہے (السحب الوابلہ ص ۱۱۰) افسوس کہ شیخ عبداللہ بن ابراہیم کا سالِ وفات نہ معلوم ہو سکا،

سے ہوتا ہے، جو خود شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی زبانی منقول ہے، شیخ کہتے ہین :۔

"مین ایک دن ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ انھون (عبد اللہ بن ابراہیم) نے فرمایا، "تمھیں وہ ہتھیار دکھاؤن، جو مین نے اہل مجمعہ کے لئے تیار کیا ہے"؟ مین نے کہا "ضرور" تو مجھے وہ ایک کمرہ میں لے گئے، جہان کتابون کا انبار تھا، اور بولے ہم نے ان لوگون کیلئے یہی سلاح فراہم کئے ہین، (عنوان ص۸)

شیخ عبد اللہ بن ابراہیم (م ۔۔۔۔) ہی کے توسط سے شیخ محمد حیاۃ سندھیؒ[۱] سے تعارف حاصل ہوا جو اس وقت مدینۃ الرسول میں حدیث وسنت کے مسلّم استاذ تھے، ابن عبد الوہابؒ ان کے مخصوص شاگردوں کے حلقہ مین داخل ہوگیے، اور عرصہ تک خدمت مین حاضر رہے، اسی سلسلہ مین شام کے نامور عالم شیخ علی داغستانی (م ۱۱۹۹ھ) سے بھی روایت کا ذکر کیا جاتا ہے جو قرین قیاس معلوم نہین ہوتا، [۲] (الزہراء، رجب ۱۳۴۵ھ) اسی طرح مدینہ منورہ کے مشہور محدث

۱؎ محمد حیاۃ سندھی (م ۱۱۶۳ھ) سلک الدرر جلد ۴ ص ۳۴ : ۱۱۶۵ھ : عنوان المجد جلد ۱ ص ۱۲۵ بروکلمن (ذیل جلد ۲ ص ۵۲۲) نے سنہ وفات کی تعیین نہیں کی ہے، صرف "۱۱۵۰ھ کے بعد" پر اکتفا کیا ہے، مولوی اسلم صاحب جیراجپوری (تاریخ نجد ص ۳۱، حاشیہ) نے تاریخ وفات ۱۱۳۵ھ لکھی ہے، جو صحیح نہیں،

۲؎ شیخ علی داغستانی بارھوین صدی میں دمشق کے علما میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، مدینہ منورہ میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے، شیخ محمد حیاۃ سندھی سے روایت حدیث کی اور بیسیوں ان سے مستفید ہوئے ۱۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے، مدینہ منورہ تحصیل علم کو آئے، اور ایک مدت وہان قیام پذیر رہے، ۱۱۵۰ھ میں لوٹ گئے (سلک الدرر ج ۳ ص ۲۱۵) شیخ کے زمانہ قیام مدینہ منورہ مین انکی عمر بہت کم رہی ہوگی اسلئے ان سے شیخ کا مستفید ہونا قرین قیاس نہیں، صرف محب الدین خطیب نے اسکا ذکر کیا ہے، (الزہراء رجب ۱۳۴۵ھ)

محمد بن سلیمان کردی مدنی (م ۱۱۹۴ھ) سے بھی استفادہ کا ذکر بعض تاریخون مین آتا ہے، لیکن مستند اور معاصر تاریخون کی خاموشی کے علاوہ سنین اور واقعات بھی اسکے خلاف شہادت دیتے ہین[۱]،

استاذ محترم مولینا سید سلیمان ندوی مدظلہ (سلاطین نجد کا مذہب: معارف نومبر ۱۹۲۴ء) نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور شیخ الاسلام دونون کا منبع فیض ایک (مسجد نبوی) بتایا ہے، اصلی سرچشمہ (کتاب وسنت) کے اتحاد کے ساتھ ساتھ درس گاہ (مسجد نبوی) کے ایک ہونے مین بھی شبہہ نہین، لیکن استاذ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا،

لبیب بتنونی (الرحلۃ الحجازیہ ص۸) مکہ مکرمہ مین بھی تحصیل علم کا ذکر کرتا ہے، لیکن کسی مستند روایت سے اسکی تائید نہین ہوتی،

مدینہ منورہ سے شیخ نے بصرہ کا قصد کیا، اور وہان شیخ محمد مجموعی سے حدیث ولغت کا درس لیا، اور ان کی خدمت مین برابر حاضر ہوتے رہے، ابن بشر نے اپنے استاذ عثمان بن منصور ناصری سے روایت کی ہے، کہ شیخ محمد مجموعی کی اولاد بھی علم وعمل میں ممتاز حیثیت رکھتی تھی، (ص۸) شام کا بھی ارادہ رکھتے تھے[۲]، لیکن زادراہ کی کمی کے باعث کامیاب نہ ہوئے، (ص۸) اور احسا

۱؎ محمد بن سلیمان کردی مدنی (م ۱۱۹۴ھ)، ابن غنام اور ابن بشر نے محمد بن سلیمان کردی کی شاگردی کا ذکر نہین کیا، صرف احمد زینی دحلان (الدرر السنیۃ ص ۴۲، ۳۵) نے شیخ کردی کی شاگردی کا ذکر کیا ہے، اور بڑے زور وشور سے، دحلان کی اس کتاب اور خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام مین اس درجہ غلط بیانیان بلکہ افترا پردازیان ہین، کہ اس غیر مفرد روایت پر بھی یقین کرنے کو جی نہین چاہتا، بعد کو اس رائے کی مزید تائید ملی، محمد بن سلیمان کردی ۱۱۹۴ھ میں سرسٹھ ۶۷ سال کی عمر پاکر فوت ہوئے: سلک الدرر جلد ۴ ص ۱۱۱-۲ تو گویا ان کی ولادت ۱۱۲۷ھ کے لگ بھگ ہوئی، اس طرح پر شیخ کے زمانہ تحصیل میں یہ بھی بالکل نوعمر ہونگے، اور ان سے شیخ کا مستفید ہونا بالکل قرین قیاس نہین)

۲؎ امیر شکیب نے دمشق مین تحصیل علم کا ذکر کیا ہے،

ہو کر حریملا (نجد) کو لوٹ آئے، جہاں ان کے والد ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء میں عیینہ سے منتقل ہو چکے تھے،

دعوت و تبلیغ

ابن عبد الوہاب بچپن ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے، ابھی عیینہ میں فقہ و حدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے، کہ بدعات ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگیں، اور جہاں کوئی عمل اصول دین کے خلاف پاتے، فوراً نہی عن المنکر کے فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرتے،

مدینہ منورہ میں محمد حیاۃ سندھی اور علی بن ابراہیم بن سیف نجدی سے استفادہ کے بعد حدیث پر نظر ہوئی، اور پھر چاروں طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو انھیں دنیا گمراہی کی سیاہ چادر

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۳) حاضر: ۴ صفحہ ۱۶۱) جو صحیح نہیں، مار گولیوتھ (انسائیکلوپیڈیا، جلد ۴ ص ۹۰-۱۰۸۶) نے تو افترا پردازیوں کی انتہا کر دی ہے؛ وہ کہتا ہے:

"بغداد میں شادی کی جو دو ہزار دینار چھوڑ کر مری"...... کردستان، ہمدان، قم اصفہان کی زیارت کی اور قیام کیا"

اس بیچارے کو سب سے مستند تاریخ روضۃ الافکار والافہام کے مصنف کا نام تک نہیں معلوم حالانکہ فلبی کی کتاب Arabia کا ذکر کرتا ہے، اور اس میں ابن غنام کا نام بار بار آیا ہے، پھر بھی روضۃ الافکار اور ابن غنام کی کڑی نہ مل سکی، علم کا یہ حال ہو، لیکن بے سر و پا افسانے ہیں، کہ گھڑے جا رہے ہیں، اس نے لفظ Wahhabiyah کے ماتحت جو کچھ لکھا ہے، اسی قسم کے مہملات کا مجموعہ ہے کچھ نمونے آگے آئینگے

Hughes (۱۵۹) زویمر Arabia The Cradle of Islam ص ۱۹۲) ڈبلیو ڈسن (The Expansion of Islam ص ۱۹۱) پالگریو (ص ۳۶۲-۳۶۳) میں سے کسی نے سفر بغداد کسی نے سفر دمشق اور کسی نے دونوں کا ذکر کیا ہے، لیکن واقعہ یہی ہے، کہ شیخ الاسلام کو بصرہ سے آگے جانے کا موقع نہ ملا، بغداد، شام یا مصر کے سفر کا کوئی ثبوت نہیں،

میں لپٹی ہوئی نظر آئی، جہاں تک پتہ چلتا ہے، شیخ نے سب سے پہلے اسی زمانہ میں استغاثہ کے خلاف آواز بلند کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس جاہلوں کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر ان سے ضبط نہ ہو سکا، ایک مرتبہ وہ حجرہ نبوی کے پاس کھڑے تھے، اور سامنے بدعات کا بازار گرم تھا اتنے میں ان کے استاذ محمد حیاۃ سندھی آگئے، شیخ نے پوچھا: "ان لوگوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟" استاذ نے جواب دیا: (إنّ هؤلاء مُتبّرٌ ما هم فيه وباطلٌ ما كانوا يعملون) (عنوان ص)

بصرہ میں یہ جذبہ اور تیز ہو گیا، نہی عن المنکر بلا خوف کرتے جس کے پاداش میں انھیں طرح طرح کی تکلیفیں جھیلنا پڑیں، اور آخر انھیں بصرہ چھوڑنا پڑا یہی نہیں، بلکہ ان سے تعلق اور ہمدردی کے جرم میں شیخ محمد مجموعی کو بھی ستایا گیا، بدبختوں نے انھیں ٹھیک دوپہر کے وقت نکالا تھا، بیچارے اسی حال میں زبیر[۱] کی طرف جا رہے تھے، کہ راستہ ہی میں پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ گئے، آخر ایک باخدا انسان ابو حمیدان نامی نے (جو کرایہ کے گدھے رکھتا تھا) دست گیری کی اور پیاس بجھائی، نیز اپنے گدھے پر سوار کر کے زبیر پہنچا دیا، (عنوان ص)

یہ سب دعوت کی ابتدائی منزلیں تھیں، اور تمہیدی کام تھے، حریملا واپسی کے بعد انھوں نے بدعات کے استیصال اور توحید و اخلاق کے عام کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا، دعوت کی بنیاد توحید کی پاکیزگی پر رکھی، اور عبادت کسی قسم کی ہو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص کرنے پر زور دیا، کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا بول بالا، ان کا شعار تھا، صدیوں کے بگڑے ہوئے اخلاق کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں، وہ بدوؤں سے چوری، رہزنی، مکاری، لوٹ مار کی بری عادتیں چھڑا کر ان میں راست بازی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے۔

[۱] زبیر: بصرہ سے قریب ایک قصبہ ہے جو حضرت زبیر بن عوامؓ کے نام پر آباد ہے، اس کے باشندے اس وقت بھی اتباع سنت میں ممتاز ہیں،

جاہلون کے عقائد کی اصلاح انھین معبودان باطل، قبہ و قبر سے ہٹا کر پھر معبود حقیقی کی درگاہ مین لا کھڑا کرنا ان کا مقصود تھا، پر یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی، اس کے لئے ایمان خالص اور سچی عزیت کی ضرورت تھی، اس راہ مین شیخ کو جن صبر آزما مصیبتون سے دوچار ہونا پڑا، اور جس خندہ پیشانی کے ساتھ انھون نے مصائب کا استقبال کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے پوری طرح متصف تھے،

توحید کی دعوت دی، غیر اللہ کے آگے سر خم کرنے، قبرون، ولیون سے مدد مانگنے، نیکوکار بندون کو معبود ثانی بنانے سے روکنے کی کوشش کی، قبرون کی زیارت مین مسنون طریقہ کے خلاف جو بدعتین رائج ہو گئی تھین، ان کے مٹانے کو عملی قدم اٹھایا، ......بس پھر کیا تھا، مخالفت کا سیلاب امنڈ آیا، اعزہ اقربا درپے آزار ہو گئے، خود باپ کو بھی یہ ادا پسند نہ آئی، (عنوان ص۶) شیخ نے باپ کے ادب اور استاذ کی عزت کا پورا لحاظ رکھا، پر جو قدم آگے بڑھ چکا تھا، وہ پیچھے نہ ہٹا، ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی، پر صبر و عزیمت کا کوہ وقار اپنی جگہ سے نہ ٹل سکا، تمام رکاوٹون کے باوجود انھون نے اپنی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، اور عارض کے تمام قصبات حریملا، عیینہ، درعیہ، ریاض وغیرہ مین ان کی شہرت پھیل گئی، اور تعلیمات کی اشاعت ہونے لگی،

تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا لیکن والد ماجد کی مخالفت کے باعث رفتار سست تھی ۱۱۵۳ھ ۱۷۴۰ء مین والد کا انتقال ہوا، تو پھر دعوت و تبلیغ مین گرمی پیدا ہو گئی، علی الاعلان اتباع سنت اور ترک بدعات کا وعظ کہنے لگے، حریملا کے کچھ لوگ متاثر ہوئے، اور تحریک کے پرجوش معاون بن گئے، شیخ کے درس میں حاضر ہونے لگے، اور ان کے مواعظ سے مستفید ہوئے، شیخ کی مشہور تالیف کتاب التوحید اسی دوران مین تالیف ہوئی، (روضۃ الافکار ص۳۶)

(باقی)

مولوی محمد اعجاز حسن خان صاحب رئیس مظفر پور

از

مولوی محمد ریاض حسن خان صاحب خیالؔ رئیس مظفر پور

صوبہ بہار کو ہندوستان کے اکثر صوبون مین ایک خاص امتیاز حاصل تھا جس کے کچھ مٹے مٹے سے نشان اب تک موجود ہین، اور وہ یہ کہ یہان علم اور دولت توام رہے ہین یعنی یہان بہت سے ایسے خاندان تھے جن کے افراد مین فضل و کمال اور جاہ و مال کا اجتماع رہا ہے اسکی آخری مثالین مولینا شمس الحق صاحب ڈیانوان عظیم آباد پٹنہ، مولوی رفیع صاحب محدث شکرانوان ضلع پٹنہ، مولینا قاری عبد اللہ صاحب بازید پور، مولنا عبد العزیز صاحب رحیم آباد ضلع دربھنگہ وغیرہ ہین انہی مثالون مین سید دیوان مولا بخش رئیس مظفر پور کا خاندان بھی ہے، اس دودمان عالی کی یادگارین ہماری نگاہون کے سامنے ہین، مولوی محمد اعجاز حسن خانصاحب اور مولوی ریاض حسن خانصاحب ان دونون بھائیون کو علم دوستی اور ہم ذوقی کی بنا پر حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ خاص تعلقات تھے، اور یہی تعلقات وراثت کے طور پر ہم کو ملے،

مولوی ریاض حسن خان صاحب کے نام مکاتیب شبلی کی دوسری جلد مین بہت سے خطوط محفوظ ہین جن سے کاتب اور مکتوب الیہ کے روابط و تعلقات کا اندازہ ہو گا،

مولوی اعجاز حسن خان صاحب کے مضامین الندوہ اور ہمارے معارف مین نکلتے رہتے ہین

جن سے ان کی وسعتِ معلومات اور علمی شوق و ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، افسوس ہے کہ
مرحوم نے تین سال ہوئے کہ ۱۹ / فروری ۱۹۳۹ء مطابق ۲۸ / ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ کو وفات
پائی، مرحوم سے ہم وابستگانِ دامنِ شبلی کو ایسے تعلقات تھے جن کی حیثیت عزیزداری سے کم نہین
مرحوم معارف کی محفل مین کئی بار شریک ہوئے تھے اور ناظرین معارف کے معلومات
کے بڑھانے مین حصہ لیتے رہتے تھے، ان کی وفات کے وقت ان کے ماتم مین معارف
کا حصہ لینا ضرور تھا، مگر میری خواہش تھی کہ ان کے خاندانی حالات بھی جواب داستان
زمانہ بن رہے ہین، ساتھ ساتھ لکھے جائین، اور اس کے لئے ان کے برادر اصغر مولوی ریاض
حسن خان سے میری درخواست اصرار کے حد تک تھی، مگر وہ خود بیمار تھے، اسلئے وہ
میری درخواست پوری نہ کرسکے، اب حیاتِ شبلی کے سلسلہ مین مین نے ان سے پھر اصرار کیا جسکو
انھون نے منظور فرمایا، اور علالت وضعف کے باوجود یہ چند صفحے لکھکر بھیجے جو شائع ہورہے ہین۔

سلسلۂ نسب سلسلۂ نسب بواسطہ امام محمد ملقب بہ تاج فقیہ (فاتح منیر) زبیر بن عبد المطلب بن
ہاشم بن عبد مناف تک پہونچتا ہے، امام تاج فقیہ نے بیت المقدس محلہ قدس خلیل اپنی جاے
سکونت سے ہندوستان آکر ۵۷۶ھ مین منیر کو فتح کیا، "دین محمد قوی شد" تاریخ فتح ہے، ان
کے تین فرزند تھے:۔ شیخ محمد اسرائیل، شیخ محمد اسمٰعیل اور شیخ عبد العزیز، شیخ محمد اسرائیل حضرت
مخدوم الملک شرف الدین بہاری بن یحیٰی منیری کے دادا تھے،
شیخ محمد اسمٰعیل کی ساتوین پشت مین حضرت مخدوم محمد بن علا، معروف بہ شیخ قاضن شطاری[1] ہوئے

(۱) شیخ قاضن شطاری کا پورا نام مع نسب یہ ہے:۔
شیخ محمد فیض اللہ معروف بہ قاضن شطاری بن قاضی علا بن قاضی عالم بن قاضی جمال الدین
ابن علی بن سلیمان بن صلاح الدین بن شیخ محمد اسمٰعیل (فرزند ثانی امام محمد تاج فقیہ) شیخ قاضن بہاری و بید [illegible]

یہ حضرت عبد اللہ شطار کے خلیفہ اور شیخ محمد غوث گوالیاری کے پیر کے پیران پیر تھے، ۹۴۰ھ مین وصال
ہوا، "قربِ حق یافت" تاریخ وصال ہے، حضرت کا مزار مظفر پور سے گیارہ کوس پر ویسالی مین (جو
بنیا بسارھ کے نام سے مشہور ہے) اب تک زیارتگاہِ خلائق ہے، مزار کو محکمۂ آثارِ عتیقہ نے اپنا
محفوظہ مین داخل کرلیا ہے، ان کے اخلاف مین شیخ محمد عثمان عرف شیخ گدائی نے بنیا بسارھ سے
رسول پور فتح اپنے مملوک موضع مین آکر سکونت اختیار کی، ان کی نسل سے شیخ خدا بخش ایک
بزرگ ہوئے، بہت کچھ معیشت حاصل کی، اور بڑے فیاض تھے، فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ان
کی حیات مین بستی بھر کھانا انکی سرکار سے ملتا تھا، دونون وقت جب تک اس کی تحقیق نہ
ہوجاتی کہ بستی کے سب لوگون اور ہر وارد و صادر کو کھانا پہنچ گیا، خود نہین کھاتے، رسول پور فتح کی
مسجد، تالاب اور آم کا باغ وغیرہ انکی یادگار ہے،

دیوان مولا بخش مرحوم شیخ خدا بخش کے نامور فرزند دیوان مولوی مولیٰ بخش خان بہادر سی
ایس آئی اوائل سلطنتِ انگلشیہ یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی اور ملکہ معظمہ وکٹوریا کے ابتدائی عہد مین
مختلف عہدون پر فائز رہکر گورنمنٹ بنگال کے میر منشی بھی ہوے، ابتدائے ملازمت مین کچھ
دنون تک سررشتہ دار رہے تھے، ان دنون سررشتہ دار کو دیوان کہتے تھے، اسی وجہ سے انکے
نام کے ساتھ دیوان کا لفظ جزو ہوگیا، غدر ۱۸۵۷ء مین ڈپٹی کلکٹر تھے، گورنمنٹ اور پبلک کی
خدمات شائستہ انجام دین، بہتیرے بے گناہون کو بچایا، اعلیٰ حکام مین بڑا رسوخ تھا، اور پبلک
مین بہت ممتاز و مقبول و ہر دلعزیز تھے، ۱۸۶۰ء مین خان بہادر کا خطاب اور ۱۸۶۶ء مین سی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۸) مین تھے، افسوس ہے کہ ان کا ذکر کتب سیر مین نہین، اور بعض باتین تصحیح طلب بھی ہین،
مثلاً ایک کتاب مین انکو بنگالی لکھا ہے، حالانکہ بہاری تھے، انکی تصنیف معدن الاسرار کا ایک قلمی نسخہ مولوی
ریاض حسن خان صاحب کی نظر سے گذرا ہے،

ایس آئی کا خطاب پایا، (اُس زمانہ میں سی ایس آئی کا طبقہ اب سے زیادہ معزز اور مخصوص تھا، یہی خطاب لفٹنٹ گورنروں اور اکثر والیانِ ریاست کو بھی ملتا تھا، نواب یوسف علی خان بہادر فرمانروائے ریاست رامپور بھی سی ایس آئی ہی تھے) دیوان صاحب نیک نفس، اولوالعزم اور علم و فضل کے قدردان تھے، قاضی محمد صادق خان اختر نے ان کی مدح میں قصیدے لکھے ہیں، اور ان کے فرزند کی ولادت کی تہنیت میں ایک مثنوی نہایت خوب لکھی ہے،

بزرگوں سے سنا ہے، کہ جس زمانہ میں دیوان صاحب کانپور میں تھے، شیخ ناسخ بھی کچھ دن ان کے مہمان رہے تھے، مولوی غلام امام شہید سے بھی خصوصیت کے مراسم تھے، وہ پٹنہ لال کرتی میں بھی دیوان صاحب کی ملاقات کو آتے، اور اُن کی وفات کے بعد بھی اُن کے اعقاب کی ملاقات کو آکر چند روز رہا کرتے تھے، دیوان صاحب نے اپنے موروثی املاک میں اور املاک کا اضافہ کیا، اور اپنے حُسنِ تدبیر سے جاہ و ثروت مزید حاصل کی، ۱۲۸۰ھ میں سفرِ حج کو گئے، حج کے بعد ۱۲۸۳ھ میں وقتِ واپسی گوناکی چھاؤنی، علاقہ ریاست گوالیار میں وفات پائی، اور وہیں مدفون ہوئے "تم بالخیر" (۱۲۸۳ھ) تاریخِ وفات ہے،

---

۵ معارف: ملک الشعراء قاضی محمد صادق اختر ہوگلی (بنگال) وطن تھا، قیام لکھنؤ میں رہا، اور وہیں کے طبقۂ شعراء میں ان کا شمار ہے، مرزا قتیل کے شاگرد تھے، مصحفی، انشا اور جرأت کے مشاعروں میں شریک رہے نواب غازی الدین حیدر والیٔ لکھنؤ نے ملک الشعراء خطاب دیا، آتش و ناسخ و رند و صبا کے زمانہ تک زندہ رہے غدر کے بعد ۱۲۸۵ھ میں انتقال کیا، تذکرہ آفتاب عالمتاب، صبحِ صادق، دیوان فارسی، دیوان ریختہ وغیرہ تصانیف ہیں، یہ مشہور قطعہ جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام   قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

انھی کا ہے،

حکیم ہادی حسن خان نایاب

دیوان صاحب کے دو بیٹے تھے، حاجی محمد امیر حسن خان مرحوم اور محمد حسن خان مرحوم، حاجی محمد امیر حسن خان کے دو صاحبزادے ہوئے، مولوی حکیم محمد ہادی حسن خان نایاب تخلص، اور مہدی حسن خان شاداب تخلص،

حکیم محمد ہادی حسن خان کو علومِ عربیہ کے علاوہ فنِ طب میں بھی مہارتِ کاملہ تھی، حاذق تھے، اور دستِ شفا رکھتے تھے، نستعلیق و شفیعا کے خوشنویس تھے، شعر و سخن کا مذاق اچھا تھا، ابتداء میں شیخ عبدالواحد سیماب مرحوم (شاگرد میر وزیر علی صبا) کو کلام دکھایا، پھر اسیر لکھنوی کے شاگرد ہوئے، اسیر کے انتقال کے بعد منشی امیر احمد مینائی مرحوم سے مشورۂ سخن کرنا چاہا تھا، کہ ۳۶ سال کی عمر میں ۳ رجب کو ۱۳۰۰ھ میں قضا کی، مگر ان کے انتقال کے بعد بھائی مہدی حسن خان شاداب مرحوم نے پھر مولوی محمد اعجاز حسن خان مرحوم نے دیوان نایاب کے اجزاء منشی صاحب کی خدمت میں بھیجے، اور انھوں نے اصلاح سے مزین فرمایا، دیوان چھپ کر شائع ہو گیا ہے، دیوان کے علاوہ فنِ طب میں زکام کے متعلق ایک رسالہ موسوم بہ "دُرِّ نایاب" ہے، اور ایک مولود شریف بھی لکھا ہے، کچھ مجربات بھی لکھے تھے جو غیر مکمل رہ گئے،

مہدی حسن خان شاداب

مہدی حسن خان شاداب مرحوم بڑے ذہین و طبّاع تھے، پہلے تعلّی تخلص کرتے تھے، پھر شاداب تخلص اختیار کیا، ابتداء میں اپنے برادر بزرگ یعنی جناب نایاب کو اپنا کلام دکھاتے تھے، اُن کی وفات کے بعد منشی امیر احمد مینائی مرحوم سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، ۱۳۰۱ھ میں وفات پائی، منشی صاحب نے امیر اللغات کے دیباچہ میں ان کا بھی ذکر کیا ہے،

حکیم محمد ہادی حسن خان کی والدہ حضرت مخدوم سید زکریا ماژندرانی کی اولاد و احفاد میں تھیں،

مولوی اعجاز حسن خان

حکیم محمد ہادی حسن خان نایاب مرحوم نے تین فرزند چھوڑے، مولوی محمد اعجاز حسن خان،

محمد ریاض حسن اور ابو الحسن خان مرحوم نیتسان، ان فرزندون کے علاوہ ایک دختر، جن کے بڑے بیٹے مولوی حکیم سید محی الدین احمد ندوی، اور چھوٹے بیٹے سید شہاب الدین احمد بی ایل ہین، ابو الحسن خان مرحوم کے بیٹے احمد حسن خان ایم اے ہین،

مولوی محمد اعجاز حسن خان مرحوم کا سلسلہ مادری، بوساطت مخدوم احمد چشتی نوابادی، مخدوم شیخ عبد العزیز فرزند ثالث امام تاج فقیہ تک پہنچتا ہے، سلسلۂ مادری مین بھی علما و مشائخ بکثرت گذرے ہین، والدۂ ماجدہ کی ننھیال سید ہے، وہ حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی قدس سرہ کی حقیقی نواسی تھین، حضرت مخدوم سید شاہ یحییٰ علی کا مزار اسٹیشن خسرو پور کے متصل، صفی پور ضلع پٹنہ مین ہے، حضرت کا سلسلہ ابو العلائی صوبۂ بہار مین بہت پھیلا، حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پوری اور حضرت سید شاہ جمال علی شیخپوری آپکے خلفا مین مشہور ہین،

مولوی محمد اعجاز حسن خان کی ولادت، ۲؍ ربیع الآخر کو ۱۲۹۲ھ مین ہوئی، اوائل عمر مین بعد اختتام قرآن مجید و درسیات فارسی، کتب درسیہ عربیہ مولانا الطاف حسین بنارسی، مولانا حکیم سید فرزند علی وہوی مولانا سید سخاوت حسین کاکوی بہاری وغیرہ علیہم الرحمۃ سے اپنے گھر پر پڑھیں، اکتساب حدیث مولنا حفیظ اللہ فتح پوری (اعظم گڈھی) سے کیا، فن خوشنویسی مین میر سید میر لکھنوی ایک خاندانی خوشنویس کے شاگرد تھے، حافظہ قوی تھا، ہزارون اشعار یاد تھے، کتب بینی کا شوق تھا، ہر فن کی کتاب کو دیکھتے، تاریخ و تصوف کی طرف زیادہ میلان تھا، حضرات صوفیہ سے عقیدت رکھتے تھے، اگرچہ کسی کے مُرید نہیں تھے، فیاض و کنبہ پرور تھے، خفیہ طور سے یتیمون اور بیواؤن کی ماہانہ امداد کرتے تھے، نومسلمون کی اعانت کا خصوصیت کے ساتھ خیال رہتا تھا، قرب و جوار کے کتنے متعلمون کو ماہانہ وظیفہ دیکر پڑھایا، مردم شناس اور علم دوست تھے، ان کا اخلاق بے ریا تھا، حکیم حبیب الرحمن خان صاحب ڈھاکہ کہتے تھے، کہ اگلے رئیسوں کے اوصاف اور جامعیت کا نمونہ جسے دیکھنا ہو وہ ان کو دیکھے،

اکثر مشاہیر عہد سے ملاقات یا خط و کتابت رہتی تھی، شمس العلما، مولنا شبلی نعمانی کی خدمت مین اُنکے بھائیون، محمد ریاض حسن اور ابو الحسن خان مرحوم کو پہلے سے شرف نیاز حاصل تھا، مولنا شبلی جب مظفر پور مین محمد ریاض حسن کی تحریک سے تشریف لائے، تو مولوی اعجاز حسن خان سے پہلے پہل ملاقات ہوئی، اور اخیر تک رسم و راہ خصوصیت کے ساتھ قائم رہی، مولنا کے حادثۂ زخم بندوق کے موقع پر اعظم گڈھ بھی عیادت کو گئے تھے، جن دنون غالباً ۱۹۱۱ء مین حضرت مولنا کا قیام لکھنؤ گولا گنج مین تھا، اور اسی محلہ گولا گنج کے ایک مکان مین محمد اعجاز حسن خان بھی قیام پذیر تھے، دو تین ماہ تک روزانہ مولانا سے شرف صحبت حاصل ہوا کرتا تھا، حضرت مولانا کو اکثر اُن سے کہتے ہوئے سُنا کہ "آپ مین سب خوبیان ہین مگر یہ کمی ہے کہ تالیف و تصنیف کی طرف توجہ نہین کرتے، افسوس ہے کہ آپ کو اپنے معلومات کی قدر نہیں، ان کو لکھ کر ہزارون کو مستفید کر سکتے ہین"۔

جناب حضور شاہ امین احمد علیہ الرحمۃ سجادہ نشین بہار شریف[1] ان کی بڑی قدر کرتے تھے، جب وہ بہار شریف سے پٹنہ تشریف لاتے، روزانہ ان کی قیام گاہ پر آکر سرفراز فرماتے تھے، گھنٹون صحبت رہتی، تصوف اور شاعری سے جناب حضور کو ذوق خاص تھا، اکثر یہی تذکرے رہتے، جناب حضور اواخر عمر مین نابینا ہو گئے تھے، مخالفین ندوہ نے ارباب ندوہ کی تقریرین اور تحریرین تدلیس و تحریف کے ساتھ غلط سنا کر ان کو ندوہ سے بدظن کر دیا تھا، جب مولوی محمد اعجاز حسن خان سے اس کا ذکر آیا، تو انھون نے مخالفین کے افترا کو کھولا، اور جناب حضور کو اجلاس ندوہ کے خطبات صحیح صحیح سنا کر، اور مقاصد ندوہ کی اصلی حقیقت بتا کر اُن کے شبہات کو دور کیا،

مولوی محمد اعجاز حسن خان کے بعض بعض مضامین الندوہ علی گڈھ منتھلی، اور معارف اعظم گڈھ

[1] معارف: سجادہ نشین خانقاہ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری فارسی کے مشہور شاعر تھے، مولنا شبلی بھی ان کی مدح فرماتے تھے، بہاء الدین آملی کی مثنوی نان و حلوا کے جواب میں مثنوی شہد و شیر لکھی،

مین شائع ہوئے ہین، آخر عمر مین صوبۂ بہار کے درویشون کے حال مین ایک کتاب لکھنی چاہتے تھے، کچھ نوٹ بھی قلمبند کر لیے تھے، مگر مرتب و مکمل کرنے کا اتفاق نہیں ہوا،

چھیاسٹھ سال کے قریب عمر پائی، او اخر عمر میں اپنے بھائی مولوی محمد ریاض حسن کی علالت شدید و مدید کا ان کے قلب پر صدمۂ عظیم ہوا، غش پر غش آتے تھے، غالباً اسی وجہ سے بعارضۂ قلب ۲۸ ذی الحجہ کو ۱۳۵۶ھ مین بمقام پٹنہ اگزبیشن روڈ وفات پائی، اور اپنے اجداد مادری کے مقبرۂ واقع احمد پور نو ابادہ خرد ضلع پٹنہ میں مدفون ہوئے، محمد ریاض حسن نے یہ قطعہ تاریخ کہا،

جان حق بسپر داخ قدسی صفات ؎ با در وشن تر تبش ز انوارِ قدس

گفت ہاتف مصرعِ سالِ رحیل ؎ کرد اور حلت سوِ گلزارِ قدس

دوسرے قطعہ مین نام کے ساتھ مصرعِ تاریخ یہ ہے، ؎

آج گلزار جنان مین گئے اعجاز حسن خان

مولوی محمد اعجاز حسن خان نے عمر بھر اپنی شادی نہین کی، نام نیک اپنی یادگار چھوڑ گئے،

معارف، اسی زمانہ مین ہمارے فاضل دوست مولٰنا تمنا عمادی نے فقرہ "علامۂ عصر اعجاز حسن خان" سے مرحوم کی تاریخ وفات نکالی تھی اور حسب ذیل قطعہ لکھا تھا،

آہ اعجازِ حسن خان چل بسے ؎ تھے جو یکتا نکتہ سنجِ علم و فضل

ایک تو رنج انکی فرقت کا ہوا ؎ دوسرا حیرت کا ہے رنجِ علم و فضل

لکھ تمنا مصرعِ سالِ وفات ؎ "لو ہوا مدفون گنجِ علم و فضل"

۱۳۵۶ھ

مولوی ریاض حسن خان صاحب دوسرے صاحبزادہ مولوی ریاض حسن خان صاحب بحمد اللہ اب تک بخیر و عافیت ہین، علوم عربی کی تحصیل و تکمیل مین اپنے بڑے بھائی مرحوم کے شریک و سہیم تھے،

علاوہ ازین علی گڈھ کالج جاکر کچھ دنون پرائیوٹ انگریزی پڑھی، فارسی اور اردو شاعری کا ذوق ہے، خیال تخلص کرتے ہین، استاذ داغ سے شرف تلمذ حاصل ہے، اور انہی کے رنگ کی تقلید کرتے ہین،

مولٰنا شبلی مرحوم کے بے تکلف دوستوں میں ہیں، اور صوبہ بہار کی ہر علمی و ادبی محفل کے صدر رہیں، ان کی ولادت کی تاریخ سہ شنبہ ۱۲ رجب ۱۲۹۴ھ مطابق ۲۴ جون ۱۸۷۷ء ہے، اطال اللہ بقاءہٗ،

تلخیص و تبصرہ

خواجہ نظام الدین احمد بخشی

ڈاکٹر بینی پرشاد ناظم بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے خواجہ نظام الدین احمد بخشی مؤلف تاریخ طبقاتِ اکبری کے حالات پر ایک مفصل مقالہ مذکورہ بالا سوسائٹی کے جرنل مین لکھا تھا جو علیحدہ رسالہ کی صورت مین چھپ کر شائع ہوا ہے، ذیل مین اسکی تلخیص درج کیجاتی ہے،

خواجہ نظام الدین احمد مختلف نامون سے مشہور ہے، منتخب التواریخ بدایونی مین اس کا نام کہین مرزا نظام الدین احمد کہین خواجہ نظام الدین احمد اور کہین صرف نظامی مذکور ہے، ابو الفضل میر ابو تراب (مؤلف تاریخ گجرات مرتبہ ڈینی سن راس) اور فرشتہ اس کے نام کے آگے بخشی بھی لکھتے ہین، بلاخ من آئین اکبری کے ترجمہ مین نظام ہراتی لکھتا ہے، خواجہ نظام الدین کے مفصل حالات کہین نہین ملتے، طبقاتِ اکبری، اکبر نامہ، آئین اکبری اور اکبر نامہ مین اس کا ذکر جستہ جستہ آتا ہے، مگر کسی مین اسکی پیدائش کا سنہ درج نہین ہے، مسز بیورج نے بابر نامہ مین لکھا ہے، کہ وہ بابر کی موت کے بیس برس کے بعد پیدا ہوا، بابر کا انتقال جمادی الاول ۹۳۷ھ مین ہوا، اس لحاظ سے مرزا نظام الدین احمد ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) مین پیدا ہوا ہو گا، ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے، کہ نظام الدین احمد نے ۳ صفر ۱۰۰۳ھ مین سینتالیس سال کی عمر مین انتقال کیا، مگر فیضی رقمطراز ہے کہ وہ ۲۲ صفر ۱۰۰۳ھ مین جان بحق ہوا، ملا عبد القادر بدایونی اور نظام الدین

مین گہرے دوستانہ تعلقات تھے، اور طبقاتِ اکبری کی ترتیب مین دونون ساتھ تھے، اسلئے ان کا بیان زیادہ مستند اور وقیع ہے، چنانچہ انکے بیان کے مطابق نظام الدین کی تاریخ پیدائش ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء قرار دیجاسکتی ہے،

خواجہ نظام الدین کے آبا و اجداد کا حال زیادہ نہین معلوم صرف اتنا پتہ چل سکا ہے کہ وہ خواجہ مقیم ہروی کا لڑکا تھا، خواجہ مقیم بابر کے آخری زمانہ مین دیوان بیوتات تھا، اور جب ہمایون نے گجرات کو فتح کر کے ۱۵۳۵ء مین مرزا عسکری کو احمد آباد کی صوبیداری عطا کی، تو خواجہ مقیم اس کا وزیر مقرر ہوا، جب ہمایون شیر شاہ سے شکست کھا کر چوسا سے آگرہ کی طرف فرار ہوا، اسوقت خواجہ مقیم اس کے ساتھ تھا، طبقات کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکبر کے زمانہ مین بھی سرکاری عہدیدار رہا،

نظام الدین کے بچپن اور تعلیم کا حال بھی اس سے زیادہ معلوم نہین ہوسکا کہ وہ ملا علی شیر اور صفی سرہندی کے باپ شیخ مبارک ناگوری کا شاگرد تھا، مگر اس مین شک کی مطلق گنجایش نہین کہ اسکی تعلیم اعلیٰ تھی، اور وہ مطالعہ گہرا تھا، اس نے اپنے باپ کی ہدایت سے تاریخ کو اپنا خاص موضوع بنایا، چنانچہ وہ خود لکھتا ہے:

از صغر سن، بموجب اشارۂ پدر گرامی اشتغال بخواندن کتب تواریخ کہ ہوس افزاے ارباب استعداد و عبرت بخش اصحاب بصیرت است مشغولی می نمود، و بمطالعہ احوال مسافران مرحلۂ وجود کہ سیر معنویست، زنگ زداے طبیعت می گشت، (طبقات جلد اول ص۲)

ان سطور سے یہ بھی ظاہر ہوگا، کہ فن تاریخ کی اہمیت اسکی نظر مین کیا تھی؛

نظام الدین کو شاعری سے بھی خاص ذوق تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کے کلام کا مجموعہ کہین دستیاب نہین ہو سکا، طبقات مین اوس نے اپنے اشعار جا بجا نقل کئے ہین، اور صرف یہی

اشعار زمانہ کے دست برد سے محفوظ رہ سکے ہیں، وہ شعراء کا بہت بڑا سرپرست بھی تھا، بدایونیؔ کا بیان ہے، کہ نظام الدین نے گجرات کے ہفت سالہ قیام میں بہت سے شعراء مثلاً آمانی، بقائی، حیاتی اور صرفی کو اپنے یہاں بلایا، اور اپنے جود و سخا سے ان کو برابر فیضیاب کرتا رہا، گجرات کے قیام کے زمانہ میں اوس نے طبقات کی تالیف شروع کی، اور میر معصوم بھکری جیسے جید عالم اور مورخ کو اپنا شریک کار بنایا، خواجہ نظام الدین کی محققانہ استعداد اور علمی صلاحیت کا اندازہ اس سے بھی ہوگا کہ وہ تاریخ الفی کی تدوین اور ترتیب میں شریک کیا گیا، سروپ چند مولف صحیح الاخبار لکھتا ہے، کہ نظام الدین نے تاریخ ایرچ کے نام سے بھی ایک تاریخ لکھی، مگر اس کتاب کا ذکر کسی اور جگہ نہیں ملتا، (الیٹ جلد ہشتم ص ۳۱۴)

نظام الدین کو تصوف اور مذہب سے بھی گہرا شغف تھا، اور اوس نے اپنے عہد کے صوفیائے کرام، علمائے عظام اور مشائخ کبار سے برابر تعلقات قائم رکھے، ملا عبد القادر بدایونی اس کو بڑی عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے، یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ وہ مذہبی عقائد میں بہت ہی راسخ، پختہ اور سچا تھا، میاں کمال الدین حسین شیرازی اس عہد کے ایک مشہور عالم تھے، نظام الدین کے انتقال پر ملا بدایونی کو لکھتے ہیں؛

"از رحلت نمودن جناب مروت مآب فتوت انتساب کمالات اکتساب مرزا نظام الدین احمد واز مرخوبیہای آن نادر زمانہ وحجت واخلاص او بخدام مدتے کلفت عظیم وحزنی تمام روداد، انا للہ وانا الیہ راجعون (منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۲۵)

خواجہ نظام الدین کی زندگی کا عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ گو وہ اکبری دربار کے متوسلین میں تھا، اور شاہی عنایات واکرام سے بھی برابر فیضیاب ہوتا رہا، پھر بھی دین الٰہی کے اقتدار اور بدعات سے مطلق متاثر نہ ہوا،

خواجہ نظام الدین علم و ادب کے شیدائی ہونے کے ساتھ ساتھ جانباز سپاہی بھی تھا، اس میں نظم و نسق کے قیام کی بھی پوری صلاحیت تھی، مآثر الامراء کے مولف نے تذکرۃ الخوانین کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ وہ اپنی ابتدائی زندگی میں اکبر کا دیوان حضور تھا، مگر اس عہد کا ذکر کسی اور کتاب میں نہیں، طبقات میں بھی خواجہ نظام الدین نے اکبر کی حکومت کے ستائیسویں سال تک کسی سرکاری عہدہ کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ حکومت کے ستائیسویں سال وہ سندہ ساگر سے اکبر کا پیام لیکر شاہزادہ مراد کے پاس گیا، اور چھتر کروہ مسافت ایک دن اور ایک رات میں طے کرکے بادشاہ کی خدمت میں پشاور واپس آیا، اس سے قیاس کیا جاتا ہے، کہ وہ کسی ملازمت کے سلسلہ میں اکبری دربار سے وابستہ تھا، اسی کے بعد وہ اکبر کے ساتھ پٹنہ اور گیا، مگر اس سلسلہ میں اس کا ذکر "اہل سعادت" کی جماعت میں ہے، حکومت کے انتیسویں سال جب گجرات کی عنان حکومت شہاب الدین سے لیکر اعتماد خان کو دی گئی، تو خواجہ نظام الدین بخشی مقرر کرکے بھیجا گیا، اعتماد خان کے دور حکومت میں گجرات میں بڑا انتشار اور اختلال رہا، مظفر گجراتی نے احمد آباد پر قبضہ کرکے شاہی فوج کو شکست دی، خواجہ نظام الدین نے تمام کوائف شاہی دربار میں لکھ بھیجے، اس کے لکھنے پر بیرم خان کے لڑکے مرزا خان کو گجرات کی سرکشی کو دبانے کے لئے بھیجا گیا، اس سلسلہ میں خواجہ نظام الدین کی شخصیت سپاہی اور سپہ سالار کی حیثیت سے نمایاں ہوئی، شاہی کمک آنے سے پہلے خواجہ نظام الدین نے شہاب الدین سے صلح کی گفتگو کی، احمد آباد کی حفاظت اور مدافعت کے انتظامات مکمل کئے، شیر خان کی فوج کو جوتانہ میں شکست دی، پھر قطب الدین خان کو بھروچ اور بڑودہ کی سمت مظفر کی فوجوں پر حملہ کرنے کی ہدایت دیکر خود بھی عقب سے سرنچ کے پاس اس پر حملہ آور ہوا، یہی حملہ مظفر کی شکست کا باعث ہوا، ان خدمات کے صلہ میں اسکو شاہی دربار سے خلعت اور انعام ملا، اور تنخواہ میں اضافہ کیا گیا، اس کے بعد اوس نے سورت اور کچھ کی کامیاب مہم کی رہنمائی کی، اس کے بعد جب مرزا خان جو اس اثناء میں خانخاناں کے

خطاب سے سرفراز ہوچکا تھا، شاہی دربار بلالیا گیا، تو نظام الدین احمد کے ہاتھوں قلیج خان اور نورنگ خان کی شرکت میں گجرات کا انتظام چھوڑ دیا گیا، خانخانان کی عدم موجودگی میں نظام الدین نے بڑی سرگرمی اور جوش سے حکومت کو سنبھالا، مظفر کے خلاف طویل اور کامیاب جنگ کرتا رہا، اور احمد نگر کے آس پاس کے علاقوں کو تسخیر کیا، فوجوں کی نگرانی، انکو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور دشمن پر اچانک حملہ کرنے میں اوس نے غیر معمولی قابلیت کا ثبوت دیا، جا بجا تھانے یعنی فوجی مرکز قائم کئے اور قلعے بنوائے،

۹۹۶ھ میں وہ شاہی دربار بلالیا گیا، اس سفر میں چھ سو کروہ مسافت بارہ دن میں طے کرکے اکبر کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا، بدایونی کا بیان ہے کہ اکبر نے خواجہ کا شاندار استقبال کیا، اور اپنی عنایت بے غایت سے سرفراز کیا، اور وہ بہت زیادہ مقرب بارگاہ ہوگیا، اسی زمانہ میں اوس کو اجمیر، گجرات اور مالوہ کی نگرانی تفویض کی گئی، ۹۹۹ھ میں شمس آباد کا پرگنہ بطور جاگیر عطا ہوا، یہاں کے انتظامات درست کرنے کے لئے اسکو پانچ مہینے کی چھٹی ملی، ۱۰۰۰ھ میں جب آصف خان بخشی کابل کی مہم پر بھیجا گیا، تو اسکی جگہ نظام الدین بخشی مقرر ہوا، اس کے بعد وہ اکبر کے ساتھ کشمیر بھی گیا، گو طبقات میں اوس نے کشمیر کے مرغزاروں کا حال اتنا دلچسپ نہیں لکھا ہے جسقدر اس کے قلم سے توقع تھی۔

اکبرنامہ کے مصنف کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الدین راوی کے علاقہ میں اکبر کے ساتھ شکار میں تھا، کہ لاہور کے قریب شاہم علی میں اس پر تیز بخار کا حملہ ہوا، اور اس کی حالت نازک ہوگئی، اس وقت اس کے لڑکوں نے اوس کو لاہور پہنچا دیا، اور ۲۳ صفر ۱۰۰۳ھ (مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۵۹۴ء) وہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا، اکبر کو اسکی موت کا بڑا صدمہ ہوا، اکبرنامہ میں ہے:-

شہریار پایہ شناس را بخته دل بگرفت و از الہی درگاہ آمرزش خواست آشنا و بیگانہ بافسوس برخاست و راستی بسوگواری نشست، امید کہ نیز سگالی او زاد این دراز سفر گردد

(اکبرنامہ جلد سوم ص ۶۵۵ کلکتہ)

ملا عبد القادر بدایونی نے خواجہ کی قبل از وقت موت کا بڑا موثر ماتم کیا ہے، لکھتے ہیں

"دریں ایام (صفر ۱۰۰۳ھ) میرزا نظام الدین احمد کہ با قلیج خان در افتادہ و ہمیشہ معارضت باو داشت و تصرف در مزاج پادشاہی پیدا کردہ و چست و چابک در مہمات درآمدہ بود مورد انواع مراحم پادشاہی و محل اعتماد تمام در حسن کفایت و تدبیر و اخلاص و دیانت دتر دد شد، چنانکہ قلیج خان و دیگر ارباب دخل را کہ جدائی از درگاہ نداشتند باطراف نامزد گردانیدہ این معنی را مقدمہ ترتیب و منشاء رعایت او تصور نمودہ عنایات گوناگون درباب او در خزینہ خاطر مکنون داشتہ می خواستند کہ جوہر عالی او را کہ قابل نشوونما بود، در صحرائے ظہور آورند، ناگاہ در عین ترقی و اوج کار روزگار برخلاف چشم داشت، آشنا و بیگانہ چشم زخمی عظیم از زمانہ رسید و بہ زحمت تپ محرق در سن چہل و پنج سالگی از عالم بے وفا درگذشت و جز نام نیک باخود نبرد و خیلے از احباب و اصحاب کہ از و حسن اخلاق دیدہ، امیدواریہا داشتند، خصوصاً این حقیر کہ جہت یگانگی دینی و اخلاص مبرا از اغراض دنیاوی باو داشت، اشک حسرت از دیدہ ریختہ و سنگ نومیدی بر سینہ زدہ عاقبت جز صبر و شکیبائی کہ شیوۂ اصفیا و شیمۂ اتقیاست چارہ ندیدند و این واقعہ را اعظم مصائب و نوائب دانستہ عبرت کلی ازان گرفتہ، و دیگر دم محبت با فراد انسانی نزدم و زاویہ خمول لازم گرفتم،

مرگ ہمسایہ واعظ تو بس است — مجلس وعظ رفتنت ہوس است

و این واقعہ در بست و سوم صفر این سال روی داد، و نعش او را از اردو بلاہور تا ورد

دریاغ او مدفون ساختند و کم کسے از خاص و عام شہر بود کہ بر جنازہ او نگریست واز مکارم اخلاق او یاد نکرد، و پشت دست حسرت بدندان نگزید،

بر ہیچ آدمی اجل ابقائی کند — سلطان قہر ہیچ محابائی کند،
عامت حکم میر اجل بر جہانیان — این حکم بر من و تو بتنہائی کند،

و این قطعہ در تاریخ او گفتہ شد:

رفت میرزا نظام الدین احمد — سوے عقبی و چست زیبا رفت
جوہر او زبس کہ عالی بود — در جوار ملک تعالی رفت
قادری یافت سال تاریخش — گوہر بے بہا ز دنیا رفت
۱۰۰۳

(منتخب التواریخ جلد دوم ص ۳۹۵ - ص ۳۹۷)

خواجہ نظام الدین نے کتاب طبقات اکبر شاہی کی تالیف مین ذیل کی کتابون سے استفادہ کیا ہے، (۱) تاریخ یمینی (۲) تاریخ زین الاخبار (۳) روضۃ الصفا (۴) تاج المآثر (۵) طبقات ناصری (۶) خزائن الفتوح (۷) تغلق نامہ (۸) تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی (۹) فتوحات فیروز شاہی (۱۰) تاریخ مبارک شاہی (۱۱) فتوح السلاطین (۱۲) تاریخ مبارک شاہی (۱۳) طبقات محمود شاہی گجراتی (۱۴) تاریخ محمود شاہی خورد (۱۵) مآثر محمود شاہی گجراتی (۱۶) تاریخ محمدی (۱۷) تاریخ بہادر شاہی (۱۸) تاریخ بہمنی (۱۹) تاریخ ناصری (۲۰) تاریخ مظفر شاہی (۲۱) تاریخ میرزا حید (۲۲) تاریخ کشمیر (۲۳) تاریخ کشمیر (۲۴) تاریخ بابری (۲۵) وقائع بابری (۲۶) تاریخ ابراہیم شاہی (۲۷) وقائع مشتاقی (۲۸) وقائع حضرت جنت آشیانی ہمایون بادشاہ،

مذکورہ بالا کتابون مین تاریخ محمود شاہی اور تاریخ محمود شاہی خورد کا حوالہ صرف طبقات اور تاریخ فرشتہ مین پایا جاتا ہے، اب یہ دونون کتابین مفقود ہین، طبقات محمود شاہی گجراتی کا

بھی کہین پتہ نہین چلتا، مآثر محمود شاہی گجراتی بھی نامعلوم ہے، ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست جلد سوم ص ۹۶۷ مین اوس کو ایک نامعلوم مؤلف کی تالیف "تاریخ محمود شاہی" سے مماثلت دی ہے، فہرست مین اوس کے ابواب کی پوری تفصیل بھی دی ہے تاریخ محمدی کے مصنف کا نام بھی معلوم نہین، ممکن ہے کہ اس کتاب سے مراد محمد بہادر خانی کی تاریخ ہو، جس کا ذکر ریو کی فہرست جلد اول ص ۸۴ مین ہے، تاریخ بہادر شاہی کا حوالہ مختلف کتابون مین ملتا ہے، لیکن اب تک اس کتاب کا صحیح پتہ معلوم نہ ہو سکا، الیٹ نے اپنی تاریخ جلد ششم مین ایک تاریخ بہادر شاہی کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ تاریخ بہادر شاہی کی تالیف ایک ایسے مؤلف نے کی جس نے سلطان فیروز کے بقیہ حالات اور گجرات کے حکمرانون کے کوائف بھی لکھے، تاریخ بہمنی بھی مفقود ہے، مختلف تاریخون مین اس کا صرف حوالہ پایا جاتا ہے، تاریخ ناصری سے مراد شاید تاریخ ناصر شاہی ہے جس کے مؤلف کا نام نامعلوم ہے، لیکن اس کا ذکر ریو نے اپنی فہرست جلد سوم ص ۹۶۰ پر کیا ہے، تاریخ مظفر شاہی کے مصنف کا نام بھی معلوم نہین، برٹش میوزیم کی فہرست جلد اول ص ۲۸۷ مین اس کا ذکر ہے، اس مین مظفر شاہ ثانی شاہ گجرات کے محاصرۂ مانڈو کے حالات ہین، تاریخ کشمیر کے مصنف کا نام مذکور نہین، لیکن شاید یہ راج ترنگنی کا فارسی ترجمہ ہو، تاریخ سندھ سے مراد میر معصوم بھکری کی تاریخ معصومی ہے، تاریخ بابری اور واقعات بابری سے شاید تزک بابری مقصود ہو، تاریخ ابراہیم شاہی کے نام کی کوئی کتاب نہین پائی جاتی، ابراہیم بن حریر یا جریر نے تاریخ ابراہیمی ضرور لکھی، جو حضرت آدم سے لیکر ۷۵۹ھ تک کی ایک عمومی تاریخ ہے، (دیکھو انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۳۳ نمبر ۱۰۷) واقعات مشتاقی (مؤلفہ مشتاقی المعروف بہ رزق اللہ) مین خاندان لودی، تیموریہ اور سوریہ کے حکمرانون کے جستہ جستہ حالات اور قصے ہین، الیٹ جلد چہارم مین اس کے اقتباسات ہین،

اس نسخہ کی تفصیلات برٹش میوزیم کی فہرست جلد دوم ص ۲۲۰-۲۲۱ مین ملین گی، واقعات حضرت جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ سے مراد بظاہر تذکرۃ الواقعات مولفہ جوہر آفتابچی ہے۔

خواجہ نظام الدین کی طبقات کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے، کہ ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ کو (خواجہ نظام الدین کی وفات کی تاریخ تک) طبقات اور تاریخ مبارک شاہی کا صرف خلاصہ بتایا ہے، روضۃ الطاہرین مؤلفہ طاہر محمد کے بہت سے ابواب طبقات سے منقول ہین، فرشتہ نے طبقات کو ایک ناقص تاریخ بتایا ہے، لیکن اوس نے اپنی کتاب میں بہت سا مواد اسی تاریخ سے لیا ہے، تاریخ شاہی (یا تاریخ سلاطین افاغنہ) نے ہمایوں کے عہد کے واقعات طبقات سے نقل کئے ہین، ماثر رحیمی کے مصنف ملا عبد الباقی نہاوندی کا اصلی ماخذ طبقات ہی ہے، ہفت اقلیم کے مصنف امین احمد رازی نے تاریخ ہندوستان کے واقعات طبقات ہی سے اخذ کئے ہین، خافی خان کو اپنی منتخب اللباب مین اکبری دربار کے پنج ہزاری اور چہار ہزاری امرار کے حالات کے لئے طبقات ہی کا ممنون ہونا پڑا، شیخ الہ داد فیضی سرہندی کے اکبرنامہ کا ماخذ صرف طبقات اور ابوالفضل کا اکبرنامہ ہے،

(ص-ع)

مقدمہ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا، اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغہ انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین،

ضخامت :- ۲۵ صفحے قیمت :- للعہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

برنارڈ شا اور اسلام

مندرجۂ بالا عنوان سے ایک مسلمان اہل قلم نے سنچر دسلمنٹ، آسام، نامی ایک انگریزی جریدہ مین ایک دلچسپ مقالہ لکھا ہے، اس کا بیان ہے کہ برنارڈ شا کی حیثیت وہی ہے جو اٹھارہوین صدی عیسوی مین مسخرے والٹیر کی تھی، والٹیر نے شروع مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی تعریف و توصیف مین ایک ڈرامہ لکھا، لیکن اہل یورپ نے اپنے تعصب کی وجہ سے اس ڈرامہ کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا، اسلئے وہ ناکام اور نامقبول رہا، اس کا ردعمل یہ ہوا، کہ والٹیر نے دوبارہ فرانس کے ذوق کو پیش نظر رکھکر آنحضرت صلعم کے خلاف لکھنا شروع کیا، چنانچہ روس کی ملکہ کیتھرائن کو اوس نے جو خطوط لکھے ہین، ان مین آپؐ کی شان مین بہت سے نازیبا کلمات استعمال کئے ہین، کارلائل کا بھی یہی وطیرہ رہا، اوس نے آنحضرت صلعم پر جو مقالے لکھا ہے، وہ بظاہر غیر جانبدارانہ اور غیر متعصبانہ معلوم ہوتا ہے، لیکن پھر اپنے مضمون دانتے کے سلسلہ مین اس نے آپؐ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ بہت ہی نازیبا ہین برنارڈ شا کا بھی یہی رویہ ہے، اوس نے اپنی بعض تحریرون مین اسلام کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جن کو پڑھکر مسلمان خوش ہوتے ہین، لیکن اوس نے شروع مین جو کچھ لکھا تھا، وہ مسلمانون مین نمایان اور مقبول ہونے کے لئے لکھا تھا، یا کسی بڑے فتنہ کے لئے فضا پیدا کرنا مقصود تھا، چنانچہ

اسکے ایک ڈرامہ سنٹ جون (St. Joan) مین اس کا اصلی رنگ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت اسلام کا مداح ہے یا دشمن، اس ڈرامہ مین اوس نے آنحضرت صلعم کی ذات مبارک کو نعوذ باللہ ایک عرب ساربان کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس نے بیت المقدس مین یسوع مسیح کے گرجون کا قلع قمع کر کے ایک وحشی جانور کی طرح مغرب کی طرف غارتگری کے لئے قدم بڑھایا، یہان تک کہ فرانس اسکی زد مین آگیا، جس کی حفاظت کے لئے صرف پائرنیز پہاڑ اور خداوند تعالیٰ کا کرم رہ گیا تھا، یہ کتاب فواد یونیورسٹی کے نصاب مین داخل تھی لیکن ازہر کے طلبہ نے اس کے خلاف احتجاج کیا، اور اس سلسلہ مین ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو اپنی ملازمت سے مستعفی ہونا پڑا،

مقالہ نگار مذکور نے آخر مین لکھا ہے، اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم کے متعلق یورپ مین اہل قلم کی رائے خواہ کچھ بھی ہو، اس سے متاثر اور خوش ہونے کی کوئی وجہ نہین، اسلام اور بانی اسلام کی خوبیان محض کسی یورپین اہل قلم کی عقیدتمندانہ رائے سے ظاہر نہین ہو سکتی ہین، بلکہ وہ اظہر من الشمس ہین،

عربی کے اساسی الفاظ کی فہرست

کیمبرج یونیورسٹی پریس سے انجیل کا ایک نیا عربی ترجمہ شائع ہوا ہے، جس مین عام فہم الفاظ کی تعداد آٹھ سو پچاس سے زیادہ نہین، عبرانی یونیورسٹی پریس بیت المقدس نے بھی ایسے عربی الفاظ کا انتخاب کیا ہے، جو روزانہ اخبارون مین کثرت سے استعمال کئے جاتے ہین، چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے قاہرہ اور جافہ کے دو اخبارون کا ایک سال تک برابر مطالعہ کر کے ایسے الفاظ اکٹھا کئے، جو مقامی اور بیرونی خبرون اور اخبار کے شذرات او مقالات مین بار بار

مستعمل ہوئے، ایسے الفاظ کی تعداد دو ہزار نکلی، ان دو ہزار الفاظ سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد عربی اخبار کے مطالعہ مین کوئی دقت باقی نہین رہتی، اس لئے فلسطین کے ارباب تعلیم کا اب یہ خیال ہے کہ یہ الفاظ فلسطین کے عبرانی کے ثانوی اسکولون مین رائج کئے جائین، ان الفاظ کا ایک لغت مرتب کیا جائیگا جس مین انگریزی اور عبرانی مترادفات بھی شامل ہونگے اسکے بعد یہ کوشش جاری رہیگی کہ ان اساسی الفاظ کی تعداد گھٹ کر انگریزی زبان کی طرح ایک ہزار ہو جائے،

قطب شمالی کا پہلا شہر

سائبیریا سے ملحق الاسکا کا ایک گوشہ مغربی کرہ ارض مین انسانی آبادی کا پہلا مرکز تھا، گذشتہ سال تک یہان کے آثار سے پتہ چلتا تھا کہ اس جگہ اسکیمو کی پرانی آبادی تھی، لیکن حال ہی مین آثار قدیمہ کے ماہرین نے ایک ایسے شہر کا پتہ لگایا، جو وسعت مین غیر معمولی بڑا اور کلچر کے لحاظ سے ابھی تک ایک معما ہے، یہ شہر بیس میل لمبا اور نصف میل چوڑا تھا، اور اس کا رقبہ الاسکا کے کسی موجودہ شہر سے کم نہین، اس مین لمبے لمبے راستے اور سیکڑون مکانات کے نشانات دکھائی دیتے ہین، یہ خطہ روئیدگی سے محروم ہے، اور درخت اور گھاس وغیرہ مطلق نہین اگتی، ایسے خطہ مین دو ہزار برس پہلے آبادی کا پتہ چلنا بہت ہی تعجب خیز ہے البتہ سکے کھنڈرات میں گھاس اگی ہوئی ملتی ہے، اس کے نواح مین آجکل اسکیمو آباد ہین، جن کی معاش کا مدار مچھلیون کے شکار پر ہے، معلوم نہین مذکورہ بالا قدیم آبادی کی معاش کا ذریعہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ ان کے پاس مچھلیون کے شکار کے وہ آلات موجود نہ تھے، جو آج اسکیمو کے پاس ہین، تاہم ان کے پاس بھی کچھ آلات اور اوزار ضرور رہے ہون گے، کچھ کھوپریان بھی ملی ہین، جن کی آنکھوں کی پتلیان ہاتھی کے دانت کی ہین اور ناک پر ہاتھی دانت کی چڑیا کی چونچ ہے۔

ص ع

مطبوعات جدیدہ

سلطان محمد قلی قطب شاہ، مؤلفہ ڈاکٹر محی الدین زور قادری تقطیع بڑی ضخامت ۲۹۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد صر رعایتہ: پتہ: مکتبہ ابراہیمیہ کتاب گھر خیریت آباد، حیدرآباد دکن،

دکن کی تمدنی تعمیر و ترقی مین سلطان محمد قلی قطب شاہ کا بڑا اہم حصہ ہے، اور اس حیثیت سے اوس کا زمانہ قطب شاہی سلاطین کا عہد زرین کہا جاسکتا ہے، اس کے دور کے جستہ جستہ حالات دکن کی تمام تاریخون مین ہین، لیکن اولاً قدیم مورخین کے مذاق اور طرز تحریر کی بنا پر ان کے متفرق بیانون سے محمد قلی قطب شاہ کے کارنامون کا پورا اندازہ نہیں ہوتا، دوسرے اردو زبان مین اس جلیل القدر فرمانروا پر ایک مستقل کتاب کی ضرورت تھی، جس سے اسکی شخصیت کا صحیح اندازہ ہوسکے، اسلئے ڈاکٹر محی الدین صاحب نے بڑی محنت اور تلاش و جستجو سے تمام تاریخی ماخذون کو کھنگال کر اور خود سلطان کے کلام سے اسکے حالاتِ زندگی اور اس کے کارنامون کا یہ جامع اور محققانہ مرقع مرتب کیا ہے، یہ کتاب دس ابواب مین تقسیم ہے، جن مین سلطان کے خاندانی حالات اور پیدایش سے لیکر وفات تک کے تمام واقعات پیدایش، بچپن، تخت نشینی، جوانی کی رنگینیان، مذہبی میلان اور اسکی مخالفت، حیدرآباد کی تعمیر، اسکی عمارتون کی زیبایش و آرایش، بیرونی تعلقات، ہندو اور مسلمانون کے تہوارون مین سلطان کی شرکت، اور ان کی ترویج مین اس کا حصہ، انکے رسوم

مین اسکی شرکت، لڑائیان، تدبیر و سیاست، ہندو رعایا کی سرپرستی، اجنبیون کی نگہداشت اور ان کی قدر افزائی، ازواج و اولاد اور وفات کی پوری تفصیل ہے، اور سلطان کی زندگی کا کوئی رُخ اور اس کے کارنامون کا کوئی پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، سلطان کے علمی و ادبی ذوق و سرپرستی کے سلسلہ مین اس کے اردو دیوان کے قلمی نسخون کا حال، کلام پر تبصرہ، اس کا مختصر انتخاب اور فارسی شاعری کا نمونہ دیا ہے، سب سے آخر مین سلطان کے حالات کے تاریخی ماخذ کی فہرست ہے، کتاب کے موضوع سے متعلق قطب شاہی سلاطین و امرا، اوران کے آثار کے ۱۹ فوٹو ہین، لائق مؤلف نے یہ کتاب لکھکر دکن کی تاریخ مین ایک اہم باب کا اضافہ کیا، یہ کتاب معلومات اور طرز تحقیق دونون پہلوؤن سے قابلِ قدر ہے،

خطوط محمد علی، مرتبہ پروفیسر محمد سرور صاحب تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۱۹ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عار پتہ:- مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور، لکھنو، بمبئی،

پروفیسر محمد سرور صاحب نے مولنا محمد علی مرحوم کے قلم سے نکلی ہوئی، اردو تحریرون کو جمع کرکے شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، چنانچہ اس سے پہلے وہ مولانا مرحوم کے مضامین دو جلدون مین مرتب کرچکے ہین، اب انھون نے ان کے خطوط کا مجموعہ مرتب کیا ہے، اس مجموعہ میں نواب محسن الملک، مولنا عبدالباری فرنگی محلی، بی امان، گاندھی جی، مولنا سید سلیمان ندوی اور مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی، اور بعض دوسرے احباب و مخلصین کے نام مولنا مرحوم کے تقریباً ساٹھ خطوط ہین، جن مین سے نصف کے قریب مولنا عبد الماجد صاحب کے نام ہین، یہ خطوط مختلف اخبارون اور رسالوں میں شائع ہوچکے ہین، لیکن کسی ایک جگہ نہ ہین گے، گویہ خطوط نجی حیثیت رکھتے ہین، لیکن مولنا مرحوم کی زندگی کا کوئی پہلو قوم و ملت کے درد سے خالی نہ تھا، اس لئے بیشتر خطوط انہی حالات و واقعات سے متعلق ہین، اور مولنا مرحوم کی دینی حمیت

مذہبی جوش، قومی و ملی جذبات اور بے لاگ صداقت سے معمور ہین، گھریلو زندگی اور رنج کے واقعات
مین بھی مولانا کی اوصاف خصوصیت نمایان ہین، یہ سب کو معلوم ہے کہ مولانا کی زندگی کا آخری دور ہر طرح
کی پریشانیون مین گذرا، ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے، کہ انھون نے ان حالات مین بھی کس ہمت و
استقلال اور اعتماد و توکل علی اللہ سے کام لیا، اور نازک سے نازک لمحات بھی انکو ملک و ملت کی خدمت سے غافل نہ کرسکے،
ان خطوط سے مختلف زمانونکے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے، یہ مجموعہ مولینا مرحوم کے خطوط کا بہت مختصر
حصہ ہے، جن لوگون کے پاس مرحوم کے خطوط موجود ہین، امید ہے کہ وہ اس قومی امانت کو عام
کرنے مین بخل سے کام نہ لین گے، اور آیندہ اڈیشن اس سے زیادہ مکمل ہوگا،

میرے نغمے ازجناب سلام مچھلی شہری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۲ صفحے کاغذ کتابت،
وطباعت بہتر، قیمت ۱۲ ؍ پتہ :- اردو سوسائٹی، دفتر اضطراب جاپلنگ مارٹ نظیر آباد، لکھنؤ

نوجوان شعرا مین جناب سلام مچھلی شہری کا نام کافی متعارف ہوچکا ہے، میرے نغمے ان کے کلام
کا مجموعہ ہے، سلام صاحب کا اصل رنگ اور ان کا طبعی میلان ترقی پسند شاعری کی جانب ہے، اور
اسی حیثیت سے وہ روشناس بھی ہین، لیکن قانونی موانع کی بنا پر ان کے کلام کا یہی حصہ اس مجموعے
مین شامل نہ ہوسکا، اس مین صرف غیر سیاسی واقعات وحالات اور تصورات و تاثرات پر چھوٹی بڑی
چند نظمین ہین، ان کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ہونہار شاعر مین شاعری کی فطری صلاحیت
ہے، اور وہ جو کچھ کہتے ہین، متاثر ہوکر کہتے ہین محض آورد اور نقالی نہین ہوتی، اس اعتبار سے انکی
بعض بعض نظمین بہت اچھی ہین، لیکن ابھی کہین کہین الفاظ کی خامی نظر آتی ہے، مثلاً دل افزائیان
"معمات زندگی بہار، قصیدہ" "رنگ گذشتہ" لیکن امید ہے، کہ مشق سے یہ خامی جاتی رہے گی بہرحال
ہونہار شاعر کا یہ مجموعہ یقیناً قدر افزائی کا مستحق ہے،

"م"

جلد ۴۷ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۱ء عدد ۶

مضامین